

استدلال نہیں، استدلال سمجھنا صرف آپ کی خوش فہمی ہے۔ لیکن اگر فضیلت ہونے پر استدلال ہو بھی تو لا یکفر سے نہیں، اسی کے بعد والی عبارت: ”الانبياء يعلمون الغيب“ سے ہے، اس لیے کچھ کہنے سے پہلے کافی غور و خوض کر لیا کیجیے۔

چوں بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطاست خطاشناس دلبر اخطا ایں جاست

باب فضائل کے چند اہم اصول:

جیسا کہ ہم نے گذشتہ میں کہیں اشارہ کیا ہے کہ غیر مقلد حضرات کی اس غلط فہمی (کہ مسئلہ حاضر و ناظر عقیدہ ہے، اور عقیدہ کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوتا ہے، جب کہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے اس موضوع پر جتنے دلائل پیش کیے جاتے ہیں سب ظنی الدلالة ہوتے ہیں، کوئی بھی اپنے مفہوم میں قطعی نہیں) کے ازالہ کے لیے میں نے باب فضائل کے چند اصول کے عنوان کے تحت یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچایا کہ عقائد میں بھی سب ایسے نہیں ہیں جن کے ثبوت کے لیے قطعی دلائل کی ہی ضرورت ہو، کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ثبوت کے لیے ظنی دلائل بھی کافی ہیں۔ اور مسئلہ حاضر و ناظر چوں کہ اسی موخر الذکر قسم میں سے ہے۔ اس لیے اس کے ثبوت کے سلسلہ میں دلیل قطعی کا مطالبہ غلط ہے، اور میں نے یہ بھی بتایا کہ قسم اول قسم ثانی سے ممتاز کرنے کے لیے ثانی الذکر کو فضیلت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس امر کو واضح کرنے کے لیے میں نے حسب ذیل طریقہ اختیار کیا ہے۔

(۱) عقائد و فضائل کی یہ تفریق شیخ محقق علی الاطلاق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریر سے ثابت ہے، بلکہ عقائد کی تمام کتابوں میں یہ تفصیل ملے گی۔

(۲) مسئلہ کو مزید واضح کرنے کے لیے ”باب اعمال“ سے فرض اور سنت وغیرہ کی مثال دی کہ جس طرح اعمال میں فرض وہ ہے کہ دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ واجب و سنت وغیرہ وہ ہے کہ دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ اسی طرح عقائد میں بھی یہ تفریق ہے۔

(۳) پھر نصوص علما سے یہ بات ثابت کی کہ قرآن کے جتنے معنی ہوں سب سے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔ دیگر احتمال کی وجہ سے استدلال باطل نہ ہوگا۔

چنانچہ بحث ہی میں نے ان الفاظ سے شروع کی ہے ”سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ“ مسئلہ حاضر و ناظر، ”علم غیب“ یا جسد اطہر کے سایہ نہ ہونے کی بحث یا اس قسم کے

دیگر مسائل ان کا تعلق عقیدہ سے بایں معنی ہرگز نہیں کہ جس طرح حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار فرض ہے، اسی طرح اس کا اقرار بھی فرض ہے، بلکہ ان کا تعلق فضائل نبی ﷺ سے ہے، اور اسی تفصیل پر بھروسہ کر کے بعد میں جہاں کہیں بھی اس موقف کے اظہار کا موقع آیا ہے ہم نے مختصراً یہ بات دہرا دی ہے کہ یہ مسئلہ باب عقائد میں سے نہیں فضیلت میں سے ہے۔

ہماری اس بحث میں چند باتیں بالکل واضح ہیں:

(۱) عقائد میں ظنی اور قطعی کی یہ تفریق ہی ہمارا اصل مدعا ہے، فرض اور سنت کی مثال مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے ہے، بالفرض یہ تمثیل یا اس کی وضاحت غلط بھی ہو تو اصل دعویٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ وہ الگ دلائل سے ثابت ہے، جس کو اس سے اختلاف ہو وہ اس تفریق کی تردید کرے، فرض یا سنت کی تعریف پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔

(۲) ہم مسئلہ حاضر و ناظر کے مطلقاً باب عقائد سے ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ قطعی اور واجب التسلیم ہونے سے انکار کرتے ہیں، رہ گیا فضیلت ہو کر عقیدہ میں شامل رہنا، تو اس کے تو ہم خود ہی مدعی ہیں، جبھی تو ہم نے اسلام کے تسلیم کیے جانے والے احکام جن کو عقائد کہا جاتا ہے، ان کی دو قسمیں عقائد اور فضائل قرار دی ہیں۔

(۳) ہمارا دعویٰ یہ بھی ہے کہ قرآن کے ظنی دلائل بھی قابل استدلال ہیں، ان کو یہ کہہ کر باطل نہیں قرار دیا جاسکتا کہ احتمال پیدا ہو گیا۔ لہذا استدلال غلط جس کو اس سے اختلاف ہو ہمارے پیش کردہ نصوص کا رد کرے۔

لیکن قارئین کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ رئیس احمد عرف رئیس الاحرار صاحب نے نہ تو ہمارے پہلے دعویٰ کی تردید کی نہ دوسرے دعویٰ سے تعرض کیا، حد یہ ہے کہ نفی اور اثبات میں ان کا نام بھی نہیں لیا۔ بلکہ ان کا جتنا زور لگ سکا ہے، صرف اس امر پر صرف کیا ہے کہ ہم نے مسئلہ حاضر و ناظر کے باب عقائد سے ہونے کا انکار کیا ہے۔ اور مولوی عتیق الرحمن صاحب وغیرہ نے اس کو باب عقائد سے مانا ہے۔ لہذا یہ ہمارا بہت بڑا تضاد ہے۔ اور ہمارا پیر کسی بڑی لمبی زلف میں پھنس گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اس بحث کو ہماری کتاب میں دیکھ لینے کے بعد بنے ہوئے جاہل کے علاوہ کوئی بھی اس غلط فہمی میں گرفتار نہیں ہو سکتا، کہ ہم نے مسئلہ حاضر و ناظر کے مطلقاً

باب عقائد سے ہونے کا انکار کیا ہے، بنے ہوئے جاہل کی بات ہم نے اس لیے کہی ہے کہ خود مولوی رئیس صاحب کو بھی یہ بات مسلم ہے کہ ہم نے اس مسئلہ کو باب عقائد سے مانا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”مولف ”الشاہد“ اگرچہ ان مسائل کو بایں معنی باب عقائد سے نہیں مانتے کہ ان کا اقرار بھی اقرار رسالت کی طرح فرض ہو لیکن بمعنی دیگر ضرور باب عقائد سے مانتے ہیں۔
(ابطال شواہد الشاہد)

لیجیے تعارض و تدافع کی جو زلف آزاد صاحب نے بڑی محنت سے ہمارے پاؤں میں باندھی تھی آخر میں یہ اقرار کر کے خود ہی کھول دی۔

اصل میں ہمارا کہنا بھی یہی ہے کہ مسئلہ حاضر و ناظر کا اقرار فرض نہیں ہے۔ اس لیے اس کے ثبوت کے لیے دلیل ظنی کافی ہے۔ جیسا کہ جملہ مسائل ظنیہ میں جمیع اہل اسلام کا عمل در آمد ہے۔ اور مولوی عبدالرؤف صاحب کی احتمال پیدا کر کے ہر دلیل کو ظنی بنانے کی کوشش ایک لالچنی جدوجہد ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ ہم نے اس کو فضیلت کے نام سے کیوں موسوم کیا، تو یہ ہماری اپنی نہیں ہے، بلکہ علمائے اسلام نے اسی نام سے اس کو موسوم کیا ہے۔ چنانچہ زرقانی اور سیرت حلبیہ میں ہے:

”عادة المحدثين التساهل في غير الأحكام والعقائد مالم يكن موضوعاً.“
[شرح مواہب، ذکر رضاعته ﷺ]

محدثین کی عادت یہ ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ میں حدیث موضوع کے علاوہ سے استدلال کرتے ہیں۔

”قد قال الإمام أحمد وغيره من الأئمة: إذا روينا في الحلال والحرام شددنا، وإذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا.“ [سیرت حلبیہ]

امام احمد وغیرہ اماموں نے کہا کہ حلال و حرام کے مسئلہ میں تو ہم سختی برتتے ہیں۔ اور فضائل اور اس کے امثال میں آسانی سے کام لیتے ہیں۔

اصول غلط نہیں خود بدولت ہی جہالت میں گرفتار ہیں:

دوسرا اعتراض جس پر انہوں نے پورا زور قلم صرف کیا ہے۔ وہ فرض کی تعریف ہے، ہم

نظنی اور قطعی کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو عمل دلیل سے ثابت ہو اس کا ماننا فرض اور اس کا منکر کافر ہے۔ اس پر مصنف ”تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد“ نے قرآن عظیم کی تین آیتوں سے معارضہ قائم کیا:

(۱) ﴿اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾

[النحل: س ۱۶۔ ت ۹۸]

جب قرآن پڑھو تو اللہ پاک کی شیطان سے پناہ مانگو۔
یہ آیت دلیل قطعی ہے لیکن حنفیوں کے نزدیک بھی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا سنت ہے۔

(۲) ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

[الجمعة: س۔ ت]

جب نماز جمعہ پڑھ چکو تو زمین میں پھیل کر رزق تلاش کرو۔
یہ آیت بھی نص قطعی ہے، جس میں نماز جمعہ کے بعد تلاش رزق کا حکم ہے، حالاں کہ یہ حکم بھی علمائے احناف کے نزدیک فرض نہیں بلکہ سنت و مستحب ہے۔

(۳) ﴿وَانْكُحُوا الْاَيَامٰى وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاَمَائِكُمْ﴾

[النور: س ۲۴۔ ت ۳۲]

غیر شادی شدہ عورتوں کا نکاح کرو، اور نیک غلاموں اور باندیوں کی شادی کرو۔
حالانکہ یہ شادی بھی نہ فرض ہے نہ ضروری۔ اس لیے یہ ثابت ہوا کہ یہ اصول ہی غلط ہے، کہ جو دلیل قطعی سے ثابت ہو فرض ہے۔

یہ پورا اعتراض پڑھ کر ہم کو ”ابطال“ کے مولف سے زیادہ اس کے مربیوں اور اساتذہ پر افسوس ہوا، کہ یہ لوگ کس قدر لالہ ابالی ہیں کہ ایک ”گلی ڈنڈا“ کھیلنے والے ”بالک“ کو کھیل کود کے میدان سے اٹھا کر تصنیف و تالیف کی کرسی پر بٹھا دیا۔ اور علم کی عزت و حرمت کا انہیں اک ذرا پاس نہ ہوا۔ نہ احساس ہوا کہ ہم نے یہ مقدس ڈیوٹی کیسے نا اہلوں کو دی ہے۔ وجہ افسوس ملاحظہ ہو: ”رئیس صاحب کی مادر تعلیم ندوہ ہے، جہاں کے اساتذہ میں نام نہاد احناف کی کثرت ہے، اور ان کے مربی خاص مولوی عبدالرؤف صاحب جھنڈے نگری ہیں جو غیر مقلد ہیں اور

اپنے دماغ کو منطق اسلامی کا خزانہ قرار دیتے ہیں، حنفی حضرات سے گزارش ہے کہ آپ لوگوں نے اپنے شاگرد رشید کو منار اور مسلم الثبوت بھی نہیں پڑھائی۔ جس میں صاف تحریر ہے:

”والحنفية لاحظوا حال الدال فقالوا: إن ثبت الطلب الجازم بقطعي فالافتراض والتحريم، أو بظني فالإيجاب وكراهة تحريم.“

[مسلم الثبوت ص: ۲۶]

حنفیہ نے لفظ کا لحاظ کر کے کہا کہ طلب جازم اگر دلیل قطعی سے ثابت ہے تو فرض اور حرام ہے، اور دلیل ظنی سے ثابت ہو تو واجب اور مکروہ تحریمی ہے۔

اور غیر مقلد صاحبان سے گزارش ہے کہ آپ حضرات نے نواب صدیق حسن خاں صاحب کی کتاب ”حصول المامول“ بھی نہیں دیکھی جس میں وہ لکھتے ہیں:

”قالواجب في الاصطلاح مايمدح فاعله، ويذم تاركه، وينقسم إلى معين، ومخير، ومضيق، وموسع، وإلى الأعيان، وإلى الكفائية، ويوافقه الفرض عند الجمهور. وقيل: الفرض ماكان دليله قطعياً، والواجب ماكان دليله ظنياً، والأول أولى.“

[حصول المامول من علم الاصول ص: ۳۰]

واجب اصطلاح میں وہ ہے کہ جس کا کرنے والا قابل تعریف ہو اور تارک قابل ملامت۔ اور اس کی قسموں میں معین، مخیر، مضیق، موسع، واجب عین اور واجب کفایہ ہے، اور جمہور کے نزدیک اسی کو فرض کہا جاتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے یہ تعریف کی ہے، کہ فرض وہ جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ جو دلیل ظنی سے۔

اس عبارت میں نواب صاحب نے فرض کی وہی تعریف کی جو ہم نے تحریر کی ہے۔ ہاں اس کو خلاف اولیٰ قرار دیا، تو کیا خلاف اولیٰ کے معنی باطل اور غلط ہوتے ہیں؟ اگر نہیں تو سوال یہ ہے کہ ہمارا تصور اس کے سوا کیا ہے؟ کہ حنفی ہونے کے ناطے ہم نے فرض کی اسی تعریف کا ترجمہ کر دیا جو حنفیوں کی طرف منسوب ہے اور جس کو غیر مقلدین کے مرجع نواب صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں دوسری تعریف کو اس سے بہتر قرار دیتے ہیں:

پھر وہ بریلویوں کا ایک غلط اصول کیسے ہو گیا۔ وہ تو حنفیوں کا مسلمہ اور غیر مقلدوں کا صحیح اصول ہوا۔ ہاں آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کو غلط اصول قرار دینا ”غیر مقلدین کی

جہالت اور علم اصول فقہ سے ناواقفیت ہے۔“

اب ہم ان بالک صاحب کا دماغ صحیح کرنے کے لیے ردالمحتار المعروف بہ شامی سے دلائل شرعیہ کی تفصیل نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی سمجھ میں آجائے کہ آیات مذکورہ بالانص قطعی ہوتے ہوئے بھی ان سے ثابت ہونے والے مسائل فرض کیوں نہ ہوئے؟

”أقول: بيان ذلك أن الدلائل الشرعية أربعة: الأول قطعي الثبوت قطعي الدلالة، كنصوص القرآن المفسرة والمحكمة، والسنة المتواترة التي مفهومها قطعي. والثاني قطعي الثبوت ظني الدلالة، كآيات المؤولة. الثالث عكسه، كأخبار الأحاد التي مفهومها قطعي. الرابع ظنيهما، كأخبار الأحاد التي مفهومها ظني. فبالأول تثبت الفرض والحرام، وبالثاني والثالث الواجب وكراهة التحريم، وبالرابع السنة والمستحب.“

اس کا بیان اس طرح ہے کہ دلائل شرعیہ کی چار قسم ہے:

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالة، جیسے: قرآن عظیم کی آیات محکمات و مفسرات اور حدیث

متواتر قطعی الدلالة۔

(۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالة، جیسے: وہ آیات جس کی تاویل میں علما کا اختلاف ہے۔

(۳) اس کا ثانی، جیسے: حدیث احاد جو قطعی الدلالة ہوں۔

(۴) دونوں اعتبار سے ظنی ہوں، جیسے: حدیث احاد جو اپنے مفہوم میں قطعی الدلالة نہ

ہوں۔

قسم اول سے فرض و حرام ثابت ہوتا ہے۔ دوسری تیسری سے واجب اور مکروہ تحریمی اور

چوتھی سے سنت اور مستحب۔

دیکھیے علامہ کس وضاحت سے فرماتے ہیں کہ قطعیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ثبوت کی اور

دلالت کی۔ اور جب دونوں قسم کی قطعیت ہو تو فرض ثابت ہوتا ہے۔ آپ کی ذکر کی ہوئی آیتیں

قطعی الثبوت ضرور ہیں لیکن قطعی الدلالة ہرگز نہیں۔ بلکہ موخر الذکر دو آیتوں میں تو باتفاق علمائے

کرام ”امر“ و ”جوب“ کے لیے ہے ہی نہیں۔ تنخیر و اباحت کے لیے ہے، اس لیے وہی ثابت

ہوگا۔ آپ نے قطعی کو قطعی الثبوت میں منحصر سمجھا اس لیے اعتراض فرمادیا۔ اور آپ حضرات

معذور بھی ہیں۔ آپ کو آپ کی غیر مقلدیت ان معارف علیہ تک کب پہنچنے دے گی۔
 رئیس صاحب! آدمی کو ہمیشہ اپنے جاے کے اندر رہنا چاہیے۔ کیوں کہ باہر قدم رکھنے
 کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ آپ کی اس جرأت زندانہ کا نتیجہ آپ نے دیکھا۔ آپ کے ساتھ
 ساتھ آپ کے اساتذہ کی مٹی بھی پلید ہوئی۔ مزید برآں یہ داغ آپ کے چہرہ کو سیاہ بنائے ہوئے
 ہے کہ اصل مسئلہ پر حیرت ناک خموشی اور بے نمکی اور فاضل مسائل پر یہ شور اشوریٰ نہ
 باخرابات نشیناں زکرامات خلاف
 ہر سخن جاے و ہر نکتہ مکاے دارد

پھڑ بازی:

منکرین علم غیب نبوت اپنے مدعا کے ثبوت میں بیش تر آیات یا احادیث اس قسم کی پیش
 کرتے ہیں، جو کسی خاص جزے سے تعلق رکھتی ہوں۔ مثلاً ان کا استدلال ہے کہ قرآن عظیم میں
 ہے:

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾

[التوبة: س ۹۔ ت ۱۰۱]

اہل مدینہ کچھ ایسے ہیں جو نفاق پر سرکش ہیں آپ انہیں نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔
 یا آیت قرآنی:

﴿وَمَا أَذْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ [الأحقاف: س ۴۶۔ ت ۹]

مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

یا اس قسم کی حدیث کہ مسئلہ (اکف) میں رسول اللہ ﷺ ایک ماہ ضیق میں رہے پھر
 آیت نازل ہوئی، پس اگر رسول اللہ ﷺ عالم غیب ہوتے تو اللہ پاک یہ کیوں فرماتا کہ آپ نہیں
 جانتے۔ یا آپ کیوں فرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ یا آپ غیب داں ہوتے تو مہینہ بھر کیوں
 پریشان رہتے۔ اور وحی کا انتظار کیوں کرتے خود نہیں بتا دیتے کہ میری بیوی بری ہے۔ وغیرہ
 وغیرہ۔

علمائے اہل سنت اس قسم کے استدلال و شواہد کا جواب متعدد طریقے سے دیتے
 ہیں، جن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اہل زلیغ کا یہ استدلال باطل ہے۔ انہیں جوابوں میں

سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ بے شک رسول اللہ کو اس وقت معلوم نہ تھا۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا (جیسا کہ ثبوت آگے آ رہا ہے) پس اگر ہمارا یہ دعویٰ ہوتا کہ آپ پیدا ہوتے ہی جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہو گئے، تب البتہ آپ ان آیتوں سے ہمارے خلاف استدلال قائم کر سکتے تھے۔ لیکن ہمارا تو دعویٰ یہ ہے کہ یہ علم آپ کو تدریجاً حسب تعلیم الہی حاصل ہوا۔ اور نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مکمل ہوا۔ پس مکمل نزول قرآن کے بعد اگر آپ کوئی آیت یا حدیث قطعی الدلالة لاسکیں جس سے علم غیب رسول کی نفی ہو سکے تو ٹھیک ورنہ آپ کا استدلال باطل ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد منکرین کے دلائل کا بیش تر حصہ بے حقیقت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنی زخمی دلیلوں کی مرہم پٹی کے لیے رئیس احمد صاحب نے ایک ”پھڑبانڈھی“ اور پیش بندی فرمائی، چنانچہ فرماتے ہیں:

”اصل بحث شروع کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے، کہ جن آیتوں کو بریلوی لوگ رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں ان آیتوں کا مطلب اگر درحقیقت یہ ہے کہ آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں۔ تو لازمی طور پر ماننا ہوگا کہ جس وقت یہ آیتیں اتریں اسی وقت آپ حاضر و ناظر ہو گئے۔ اس وقت کے بعد کسی ایسی آیت کا نازل ہونا ناممکن و محال ہے، جس سے آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی اور تردید ہوتی ہے۔

مثلاً: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

ہی کی آیت کو لے لیجیے، جب اس آیت کے تحت (مکہ میں ہی آپ) تمام چیزوں پر حاضر و ناظر ہوئے۔ تو مدینہ منورہ میں قرآن کا یہ کہنا کہ:

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾

[التوبة: س ۹۔ ت ۱۰۱]

کیوں کہا گیا؟ کہ آپ منافقین کو نہیں جانتے۔

[ابطال ص: ۳۶-۳۸]

مطلب رئیس صاحب کا یہ ہے کہ اگرچہ مدعیان علم غیب رسول آپ کو ابتدا ہی سے سب

چیزوں کا عالم نہیں مانتے پھر بھی ان کو لازم ہے کہ مانیں تاکہ ہم ان کے خلاف استدلال قائم کر سکیں، کیوں کہ بغیر اس مفروضے کے منکرین کی سب دلیلیں لنگڑی ہیں۔

میں کہتا ہوں: آیت رحمۃ للعالمین جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ عالم غیب اور حاضر و ناظر ہیں، مکہ میں اتری، تو اس کے لیے یہ کیوں ضروری ہے کہ آپ اسی وقت ساری چیزوں کے عالم ہوں؟۔

رسالت کا منصب آپ ﷺ کو بقول آپ حضرات کے ہجرت کے ۱۳ سال قبل مکہ میں ملا۔ (اور آپ کی منطق ہے کہ جو عہدہ جب ملے اسی وقت اس کی ساری جزئیات اور تفصیلات پر صاحب منصب کی آگاہی بھی ضروری ہے) تو کیا اپنی اسی منطق کے تحت آپ اس بات کے قائل ہوں گے کہ اسی دن آپ کو سارے احکام اسلام بتا دیے گئے، اور اس کے بعد کسی ایسی آیت کا اترنا محال ہے جس میں احکام اسلامی کا بیان ہو۔ اگر نہیں تو پھر ہمارے لیے یہ ماننا کیوں ضروری ہے؟ کہ آیت رحمۃ للعالمین کے نزول کے وقت ہر شی کا عالم ہونا بھی ضروری ہے۔

اور سنیے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

ہم نے آپ پر کتاب اتاری جس میں ہر شی کا بیان ہے۔
یہ آیت شریفہ مکی ہے۔

اس کا مطلب علمائے اہل سنت بیان فرماتے ہیں: بیان ماکان وما یکون، جو ہوا اور ہوگا سب کا بیان ہے۔

آپ لوگ کہتے ہیں: لکل شیء یمحتاج الیہ فی الدین۔ ان ساری باتوں کا بیان ہے جس کی ضرورت دین میں پڑے۔

تھوڑی دیر کے لیے ہم اسے ہی مان لیتے ہیں، اب آپ کی منطق یہ ہے کہ جو چیز اس آیت سے ثابت ہو رہی ہے پوری کی پوری اسی وقت موجود ہونا چاہیے۔ تو سوال یہ ہے کہ آیت ﴿تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کے نزول کے ساتھ ساتھ ہی وہ سارے احکام بیان ہو چکے تھے جن کی ضرورت دین میں ہے۔ اور پوری کتاب اتر چکی تھی جس کے اترنے کا بیان اس آیت میں ہے۔ اگر نہیں اور ضرور نہیں تو آیت رحمۃ للعالمین کے نزول کے وقت سارے علوم سے آگاہی

کیوں ضروری ہے؟ مولانا دھاندلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے

الٹے وہ ٹھکڑے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

ناطاقی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

مولانا! یہ میدان استدلال ہے، یہاں پھڑ بازی اور نظر بندی سے کام نہیں چلے گا اور مردہ دلیلوں میں آپ کے شعبدوں سے جان نہیں آئے گی۔ یہ حقیقت عالم آشکار ہو چکی ہے کہ آپ حضرات کے پاس دلیل نہیں ہے، معارضے کے لیے چند جزئیات ہیں۔ وہ بھی بعد از وقت۔

حضور جسمی کی بحث:

کتاب ”ابطال شواہد الشاہد“ کل ایک سو بارہ صفحے کی کتاب ہے، اکتالیس صفحے کے بعد دلائل شروع ہوتے ہیں، لیکن پڑھنے والوں کو حیرت ہوگی کہ حاضر و ناظر نہ ہونے پر کوئی دلیل ان کے پاس نہ تھی۔ جہی تو بحث کا آغاز معارضے سے کیا ہے۔ چنانچہ عنوان قائم کرتے ہیں ”حاضر و ناظر ہونے پر شرعی استحالة“ اور تفصیل میں چار آیتیں پیش کی ہیں۔ سورہ انعام آیت ۶۸۔۷۰۔ سورہ نساء آیت ۱۴۰ پارہ اٹھارہ ع ۶ آیت ۹۷۔ ہم اسی میں وہ آیت بھی شمار کر لیتے ہیں، جس کو انہوں نے سولہویں نمبر پر تحریر کیا وہ سورہ قصص آیت ۴۴۔ ان آیات میں رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کو خلاف شرع مجالس میں شرکت سے منع کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی بے شمار مجالس ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ بحکم شرع شریک نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح بعض آیتوں میں یہ تلقین ہے کہ آپ دعا فرمائیں کہ شیطان آپ کے پاس نہ آویں۔ تو جہاں جہاں شیطان ہوں آپ وہاں نہیں ہو سکتے۔ اور آخری آیت میں تصریح ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے ہم جب موسیٰ علیہ السلام کو احکام عطا کر رہے تھے تو آپ طور کے مغربی حصہ میں موجود نہ تھے، پس ان سب آیتوں سے آپ کا متعدد مکانات میں حاضر نہ ہونا ثابت ہوا پھر سارے جہان پر حاضر و ناظر کس طرح ہوئے؟

علمائے اہل سنت کا یہ کہنا کہ ان آیات کو بار بار پڑھیے، مجالس کی شرکت، شیطان کا پاس نہ آنا، اور طور کے پاس موجود نہ رہنا، یہ سب جسم سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے مادی جسم کے ساتھ ان جگہوں میں نہ رہیں یا موجود نہ تھے۔ کیوں کہ مثلاً جب

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو ریت عطا ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ پیدا ہی نہ ہوئے تھے، تو آپ کا مادی جسم وہاں کہاں موجود رہے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ اخذ کرنا کہ جسم کے ساتھ موجود نہ ہو تو حاضر و ناظر نہیں سخت نادانی ہے۔ اور سنی رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے جو معنی قرار دیتے ہیں اس سے شدید جہالت ہے۔ علمائے اہل سنت نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا ہے کہ آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہر جگہ ظاہری جسم کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ ہماری کتاب میں ”معنی حاضر و ناظر“ کا عنوان پڑھیے۔ اس میں صاف صاف تحریر ہے

(۱) سرور عالم ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ اور سارے حجابات اٹھا دیے گئے ہیں۔ آپ سب کو دیکھ رہے ہیں۔

(۲) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہیں قوت روحانی کے ساتھ اور کہیں جسم مثالی کے ساتھ اور کہیں جسم اطہر کے ساتھ پہنچ سکتے ہیں۔

جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ ہم ہر جگہ آپ کے جسم اطہر کے ساتھ موجود رہنے کے قائل نہیں۔ پس اگر کچھ آیتوں سے آپ کے جسم کے ساتھ وجود کی نفی نکلتی ہے تو ہمارا کیا نقصان؟ نقصان تو تب تھا کہ علم کی نفی ثابت ہوتی۔ اور یہ ثابت کرنا آپ کے بس کا کام نہیں۔ آپ کیا آپ کے اکابر آج تک عاجز ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے پچاس سال قبل اعلان فرمایا تھا:

ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی و گنگوہی، جنگلی و کوہی سب کو ہی دعوت عام ہے۔ اجمعوا شرکائکم چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالتہ، یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں، جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد اشیاء مذکورہ ماکان و مایکون سے فلاں امر حضور پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو نہ دیا گیا۔

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْغْلَمُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾

(انباء المصطفیٰ)

جو آج تک لا جواب ہے۔

مولوی عبدالرؤف صاحب کی پیش کردہ آیات جن میں آپ کے حضور جسمی کی نفی

تھی، ہم نے ان کے جواب میں صاف صاف لکھ دیا تھا، اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ ہم حضور جسمی کے گزشتہ زمانہ میں قائل ہوں، نہ اس کو آپ ہمارے بیان کردہ معنی ”حاضر و ناظر“ سے ثابت کر سکتے ہیں، فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ قرآن عظیم کی ان آیتوں کو پیش کر کے جن میں حضور جسمی کی نفی ہے کتاب کے اوراق میں اضافہ کیا ہے۔

اس کے بعد بھی آزاد صاحب کی یہ کذب بیانی کہ ”فاضل رحمانی نے بریلوی مشن سے دریافت کیا تھا کہ جن جگہوں پر رسول اللہ ﷺ کا موجود و حاضر رہنا مناسب نہیں، کیا وہاں بھی آپ کو حاضر و ناظر مانا جاسکتا ہے؟ تو بریلوی مشن مولانا جھنڈے نگری کے اس سوال کے جواب میں خاموش رہا، جیتی مکھی نگلنا ہے۔

آزاد صاحب بریلوی مشن خاموش نہیں رہا، آپ ہی مر گئے ہیں۔ سنایا زندوں کو جاتا ہے مردوں کو نہیں، ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ﴾

[النمل: س ۷۷-۲-ت ۸۰]

پھر کان کھول کر سن لیجیے دعویٰ ہمارا یہ ہے کہ۔۔

(۱) آپ کو سب کا علم ہے اس لیے آپ حاضر و ناظر ہیں۔

(۲) آپ ایک جگہ ہیں اور سارے حجابات اٹھا دیے گئے ہیں، اس لیے آپ سب کو

دیکھ رہے ہیں، اس لیے آپ حاضر و ناظر ہیں۔

(۳) آپ کسی جگہ اپنے حقیقی جسم کے ساتھ موجود ہیں اور بعض دوسری جگہ جسم مثالی

کے ساتھ اور کسی جگہ روحانی طاقت سے۔ (ہر جگہ جسم حقیقی کے ساتھ نہیں) اس لیے آپ حاضر

و ناظر ہیں، ان تینوں معانی میں سے کوئی ایک معنی بھی ثابت ہو ہمارا مدعا ثابت ہے، اب بتائیے

کہ آپ کی پیش کردہ وہ آیات اور ہمارے دعویٰ میں کون سا تضاد ہے؟۔

معارضہ یا بددیانتی:

ان آیتوں کے ذکر کے بعد جن میں کچھ مقامات پر حضور ﷺ کے جسم کے ساتھ موجود

نہ رہنے کا بیان ہے۔ رئیس صاحب نے ایسی آیتیں ذکر کی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور

ﷺ کو بعض جزئیات کا علم نہیں۔ چنانچہ سورہ احقاف آیت ۹ (جس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ

نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ میرے تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، ہم اسی کے ساتھ سورہ توبہ کی آیت ۱۰ کو بھی شامل کر لیتے ہیں جس میں یہ بیان ہے کہ بعض منافقین مدینہ کا حال رسول اللہ کو نہیں معلوم۔

جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ مذکورہ بالا آیات ہرگز ہمارے مدعا کے منافی نہیں۔ بلکہ ہمارا تو دعویٰ یہ ہے کہ صرف یہی دو خبریں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ عالم غیب یا حاضر و ناظر آپ خدا کے بتانے اور مشاہدہ کرانے سے ہوئے ہیں۔ پس اگر کسی آیت سے یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے منافقین مدینہ کا حال اور حضور ﷺ اور مسلمانوں کے انجام کی خبر حضور ﷺ کو نہیں دی، تب البتہ ہمارے مدعا کے خلاف ہوگا۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے، بلکہ مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ آیت مبارکہ ﴿لَا أَدْرِ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ (مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا) ابتدائے حال کی ترجمان ہے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ کو سب کی اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ کتاب النسخ میں امام ابو داؤد فرماتے ہیں:

”عن عكرمة عنه رضى الله تعالى عنه في قوله تعالى: ﴿لَا أَدْرِ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾، قال: نسختها آية الفتح، فقال رجل من المؤمنين: هنيالك يا نبي الله! لقد علمنا الآن ما يفعل بك، فماذا يفعل بنا؟ فانزل الله في سورة الأحزاب ﴿وبشر المؤمنين بأن لهم من الله فضلاً كبيراً﴾ وقال: ﴿ليدخل المؤمنين والمؤمنات جنات﴾ الآية. فبين الله ما يفعل بهم.“

[بحوالہ الدولۃ المکیہ ص: ۲۲۷-۲۲۸]

حضرت عکرمہ انہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آیت مبارکہ: ﴿لَا أَدْرِ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ کو سورہ فتح کی آیت ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ﴾ نے منسوخ کر دیا۔ آیت فتح کے بعد ایک مسلمان نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو، اب تو ہم کو بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ ہمارے ساتھ کیا ہوگا یہ البتہ نہیں معلوم، تب سورہ احزاب کی آیت اتری کہ مسلمانوں کو اللہ کے فضل عظیم کی بشارت دے دو اور اللہ مومنین اور مومنات کو جنت میں داخل کرے گا۔ پھر تو سبھی کا انجام معلوم ہو گیا۔ یوں ہی کمالین حاشیہ جلالین میں ہے:

”قال ابن الجوزی الصحيح في معنى آية قول الحسن وعن ابن عباس و انس وعكرمة وقتادة معناه: لا أدري حالي ولا حالكم في الآخرة، ثم نزل بعد ﴿ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر﴾ فقالوا: هنيالك قد علمنا ما يفعل بك، ثم نزل ﴿ليدخل المؤمنين والمؤمنات جنات﴾.“

[کمالین مطبع فاروقی ص: ۴۱۴]

ابن جوزی نے کہا کہ آیت کے معنی میں صحیح حسن بصری کا قول ہے۔ ابن عباس، انس، عکرمہ، اور قتادہ سے ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ آخرت میں مجھ کو اپنا اور تمہارا حال معلوم نہیں لیکن اس کے بعد سورہ فتح کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا کہ آپ کو مبارک ہو اب تو ہم کو بھی آپ کا حال معلوم ہو گیا، پھر مومنوں کے جنتی ہونے کی بشارت نازل ہوئی۔ اب تو صاف صاف واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ نے لاعلمی کا اظہار پہلے فرمایا تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خود ان کے اور دیگر اہل اسلام کے حال کی خبر دے دی۔

لیکن ہم کو رئیس صاحب کی ذہانت پر حیرت ہے کہ یہ تشریحات موجود ہوتے ہوئے بھی کہ آیت مبارکہ لا أدري منسوخ ہے اور بعد میں رسول اللہ ﷺ کو سب کی خبر دے دی گئی ہے، چمک کر اسی منسوخ آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اور اسی کو مسلمانوں کا اجماعی مسئلہ قرار دیتے ہوئے انہیں شرم بھی نہیں ہوتی۔ سچ فرمایا خبر صادق نے:

”إذالم تستحي فاصنع ما شئت.“

بے حیاباشن و ہر چہ خواہی کن۔

دوسری آیت:

﴿ومن أهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم﴾

[التوبة: س ۹۔ ت ۱۰۱]

اہل مدینہ میں کچھ سرکش منافق ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں اس کے بعد بھی:

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

[ال عمران: س ۳۔ ت ۱۷۹] اتری۔

امام طبری فرماتے ہیں:

”يَعْنِي بِقَوْلِهِ: ﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ مِنَ التَّبَاسِ الْمُؤْمِنُونَ بِالْمُنَافِقِ، فَلَا يَعْرِفُ هَذَا مِنْ هَذَا، حَتَّى يُمَيِّزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ، يَعْنِي بِذَلِكَ حَتَّى يُمَيِّزَ الْخَبِيثَ، وَهُوَ الْمُنَافِقُ الْمُسْتَرِ لِكُفْرٍ، مِنَ الطَّيِّبِ، وَهُوَ الْمُؤْمِنُ الْمَخْلَصُ الصَّادِقُ الْإِيمَانِ. “ [طبری جلد رابع ص: ۱۱۶]

اللہ پاک نے اپنے قول (اللہ تعالیٰ مومنین کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو) سے یہ مراد لی ہے کہ مومن و منافق گھلے ملے ہیں اس کا اس سے امتیاز نہیں ہوتا تو وہ خبیث یعنی منافق کو جو کفر چھپاتا ہے مومن مخلص صادق الایمان سے صاف صاف الگ اور ممتاز کرے گا۔

امام بغوی آیت مبارکہ:

﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ﴾ [محمد: س ۴۷ - ت ۳۰]

ہم چاہیں تو آپ کو انہیں دکھا دیں تو آپ انہیں علامتوں سے پہچان لیں
کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”قال أنس: ما خفي على رسول الله ﷺ بعد نزول هذه الآية شيء من المنافقين، كان يعرفهم بسيماهم.“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی منافق بھی حضور ﷺ پر پوشیدہ نہیں رہا سب کو علامتوں سے پہچان گئے۔
امام بغوی آیت مبارکہ کی شان نزول میں فرماتے ہیں:

”قال السدي: قال رسول الله ﷺ: عرضت علي أمتي كما عرضت علي آدم، وأعلمت من يؤمن بي، ومن يكفر، فبلغ ذلك المنافقين فقالوا استهزاء: زعم محمد ﷺ أنه يعلم من يؤمن به ومن يكفر ممن يخلق بعد، ونحن معه وما يعرفنا، فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقام على المنبر، فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: ما بال أقوام طعنوا في علمي، لا تسئلوني عن شيء فيما بينكم وبين الساعة إلا نبأتكم.“ [حاشیہ دولتہ المکیہ ص: ۱۵۳]

امام سدی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اوپر میری امت کے سب لوگ پیش کیے گئے، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد پیش ہوئی تھی، تو میں نے اس کو بھی پہچان لیا جو مجھ پر ایمان لائے اور اس کو بھی جو کفر کرے گا۔ اس پر منافقین نے مذاق اڑایا کہ پیغمبر ﷺ آئندہ پیدا ہونے والے انسانوں میں مومنوں اور کافروں کے جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ہم ان میں کافر ہیں ہمیں ہی نہیں جانتے، تب آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کی پھر منافقین کو لاکاراکہ کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ میرے علم میں طعنہ کرتے ہیں، آج سے قیامت تک کی جو خبر چاہو پوچھو بتاؤں گا۔

ان نصوص کی مزید وضاحت کی ضرورت قطعاً نہیں۔ یہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بعد میں ہر ہر منافق کا علم ہو گیا تھا۔

کیا اب ہم بھی رئیس صاحب سے انہیں کے لب و لہجہ میں پوچھ سکتے ہیں، کہ حضرت عکرمہ، ابن جوزی، امام طبری، امام بغوی، امام سدی، وغیرہ ائمہ اسلام پر وہابی مشن کیا فتویٰ لگائے گا؟ حق یہ ہے کہ وہابی مذہب کی بنا اس قسم کی چالاکیوں پر ہے۔ منسوخ آیتوں سے استدلال کریں، مدعی کو اپنی مرضی کے موافق ترمیم پر مجبور کریں۔ مدعی پر غلط اقرار کا الزام قائم کریں۔

علوم خمسہ کی بحث:

آیات نفی میں: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ. الْآيَةُ﴾

[لقمان: س ۳۱۔ ت ۳۴]

رئیس صاحب نے پور زور صرف کیا ہے، اس لیے ہم بھی تھوڑی تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

بحث کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے علمائے اہل سنت و جماعت کا موقف بیان کر دیا جائے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو بقول رئیس صاحب اس مسئلہ کے موجد اور بانی ہیں ان کا بیان سنئے:

”فَاللَّهُ تَعَالَى - عَزَّتْ عَظَمَتُهُ - أَعْطَى حَبِيبَهُ ﷺ عُلُومَ جَمِيعِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَأَرَاهُ الشَّرْقَ وَالْغَرْبَ وَالْعَرْشَ وَالْفَرْشَ، وَجَعَلَهُ شَاهِدَ مَلَكُوتِ

السموات والأرض، وعلمه ماكان ومايكون من أول يوم إلى القيامة.

[الدولة المكيه ص: ۱۲۲]

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام اولین و آخرین کا علم دیا، مشرق و مغرب اور عرش و فرش دکھائے، اور آسمان و زمین کی بادشاہیوں کا شاہد بنایا، پہلے دن سے قیامت تک ہونے والے حوادث کا علم بخشا۔

اسی میں ہے:

”وقد ثبت علم جميع الخمس سوى الساعة على خلاف فيها.“

علوم خمسہ (قیامت، بارش، فی الارحام، کل کیا کمائیں گے، اور کہاں مریں گے) میں قیامت کے علاوہ وہ سب کا علم آپ کو ہے۔ علم قیامت میں کچھ لوگوں کو اختلاف ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

”فانا لا ندعى أنه ﷺ قد أحاط بجميع معلومات الله سبحانه وتعالى؛

فإنه محال للمخلوقات، وسنلقي عليك أن تعليم الله تعالى لنبيه ﷺ كان بالقرآن، والقرآن نزل نجماً نجماً ولم يكن ينزل كل وقت، فصدق البعض في الأوقات وفي المعلومات جميعاً.“

[کتاب مذکور ص: ۲۸]

ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام معلومات الہی کا احاطہ کر لیا ہے، کہ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے اور ہم تمہیں یہ بھی بتائیں گے کہ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو قرآن عظیم کے ذریعہ تعلیم دی اور وہ تھوڑا تھوڑا کر کے اترا۔ ہر دم اس کا نزول جارہی نہیں رہتا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ رسول کا علم معلومات کے لحاظ سے بھی بعض اور وقت کے اعتبار سے بھی بعض ہے۔

ان عبارتوں سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کا علم بے عطا الہی ہے۔

(۲) دو حدوں کے بیچ محصور ہے، یعنی ابتداء آفرینش سے آخری دن تک۔

(۳) علوم خمسہ ان میں داخل ہے، قیامت کے بارے میں بعض علما کو اختلاف ہے، وہ

کہتے ہیں: کہ آپ کو قیامت کا علم نہ تھا۔

(۴) علیٰ اختلاف الاقوال یہی علم ماکان وما یکون ہے، سو وہ بھی آپ کو شروع سے معلوم نہ تھا تذریعاً حاصل ہوا، اس لیے تکمیل علم سے پہلے اگر کسی چیز کے علم کی آپ سے نفی کی گئی ہو تو یہ امر آپ کے عالم ماکان وما یکون ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اب رئیس صاحب کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

آیت پاک میں صراحت ہے کہ موجودہ پانچ چیزوں کا علم رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں ہے۔ [ابطال ص: ۴۷]

ہماری گزارش ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے، آیت قرآنی کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [لقمان: ۳۱-ت ۳۴]

بے شک اللہ کے پاس ہے، قیامت کا علم۔

(۲) ﴿وَيُنَزِّلُ الْغَيْثُ﴾ [لقمان: ۳۱-ت ۳۴]

اور اتارتا ہے مینہ۔

(۳) ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ [لقمان: ۳۱-ت ۳۴]

اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔

(۴) ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ [لقمان: ۳۱-ت ۳۴]

اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی۔

(۵) ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ [لقمان: ۳۱-ت ۳۴]

اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔

ان پانچ فقروں میں کس فقرے کا یہ ترجمہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی پانچ باتوں کا علم نہ تھا۔؟ پھر جھوٹ ہوا یا نہیں۔ آپ نے لفظ صراحت لکھ تو دیا لیکن اس کے معنی ہی نہیں سمجھے، پہلے فقرے کا ترجمہ ساتھ ہے، اس میں خدا کے لیے علم قیامت کا ثبوت ہے۔ دوسرے ٹکڑے میں بارش اتارنے کا ذکر ہے۔ اس میں علم کا تذکرہ ہی نہیں۔ تیسرے ٹکڑے میں بھی علم مانی الارحام کا ثبوت ذات باری کے لیے ہے۔ بعد کے دو ٹکڑوں میں البتہ دوسروں سے علم کی نفی ہے۔ لیکن خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کی تصریح نہیں، اس لیے خاص طور سے آپ کی ذات سے ان علوم کی نفی کی صراحت کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہی ہوا۔

ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب ان دونوں ٹکڑوں میں غیر اللہ سے علم کی نفی کی گئی، تو رسول اللہ ﷺ سے بھی ہوگئی۔ اسی طرح جب پہلے ٹکڑے میں علم قیامت کو ذات الہی کے ساتھ خاص کیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ دوسروں سے اس کی نفی ہو۔ اور دوسروں میں حضور بھی داخل ہیں، لہذا حضور سے بھی علم قیامت کی نفی ہوئی۔ بلاشبہ یہی بات صحیح ہے لیکن اس کو کون پڑھا لکھا آدمی صراحت سے تعبیر کرے گا۔ اس کو ثبوت اور لزوم کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کے لیے تو پڑھنے لکھنے کا ماتم کرنا ہی بے کار ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکور سے تین علم، قیامت، کسب اور موت کی نفی غیر خدا سے ثابت ہوتی ہے۔ بقیہ دو علم بارش اور علم ارحام یہ اب بھی ویسے ہی رہ گئے اور اس آیت مبارکہ کے الفاظ کی دلالت ان کی نفی پر نہیں۔ اس لیے اب اس کے علاوہ چارہ کار نہیں کہ کہا جائے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آیت: ﴿عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ میں مفاتح الغیب ”یہی پانچ چیزیں ہیں، اور انہیں کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے اس تفسیر نبوی کی روشنی میں جب یہ پانچوں مفاتح غیب ہیں تو ان کو بھی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس طرح بقیہ دو کی نفی بھی آیت سے ثابت ہوئی۔

ہمارا بھی یہی کہنا ہے کہ آپ کو صاف صاف اقرار کرنا چاہیے تھا۔ کہ علوم خمسہ کی نفی کے ثبوت کے لیے مدار حدیث نبوی ہے، قرآن کی صراحت نہیں۔ اور آپ نے اس ٹون میں کہہ دیا کہ عوام یہ سمجھ بیٹھیں کہ قرآن میں انہیں الفاظ میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم نہ تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا کارطفلاں خراب خواہد شد

ہم نے آیت مذکورہ بالا کی وضاحت میں عرض کیا تھا: بلاشبہ اس آیت اور دیگر آیات نفی میں ماسوا اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے، لیکن نفی علم ذاتی کی ہے عطائی کی نہیں۔ رئیس صاحب کو ہماری اس تفریق سے اگر انکار تھا تو انہیں ایسے دلائل اور نصوص پیش کرنے تھے، کہ عطائی کی بھی نفی ثابت ہو۔ لیکن ناظرین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ رئیس صاحب نے صحابہ کے فتاویٰ کہہ کر حضرت ابن عباس اور ام المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے انہیں اقوال کو دہرایا ہے جن کو وہ ”موضوع سخن“ کے عنوان سے ایک دفعہ پیش کر چکے تھے۔ بے چارے کیا کرتے ان

کے پاس سوائے اس کے کوئی پونجی ہی نہیں۔ اسی لیے پوری کتاب میں اسی کو پتیرا بدل بدل کر دہراتے ہیں۔

ہماری گزارش ہے کہ اولاً تو ان روایتوں میں ذاتی عطائی یا بالاستقلال اور بالاعلام کا کوئی ذکر ہی نہیں، اس لیے ان اقوال کو عطائی کی نفی کے ثبوت میں پیش کرنا اپنے دیوالیہ ہونے کا ثبوت دینا ہے۔

ثانیاً: ان دونوں قول پر ہم گذشتہ اوراق میں سیر حاصل بحث کر آئے ہیں، ورق الٹ کر انہیں دیکھ لیا جائے اور رئیس صاحب کے ہمت مردانہ کی داد دی جائے۔ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے: ایک ڈھیٹ ہوتا ہے اور ایک اس سے بھی آگے گبر ڈھیٹ، مولانا کے لیے ایک تیسرا درجہ بھی ایجاد کرنا پڑے گا۔

ہاں فتاویٰ کے سلسلہ میں اپنے مسلک سے ہٹ کر ایک نئی چیز پیش کی ہے، یعنی عظیم القدر تابعی اور جلیل الشان امام تفسیر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول وہ بھی بے سند۔ حوالہ در منثور اور تفسیر ابن کثیر کا ہے، مگر حیرت یہ ہے کہ اصل عبارت نقل کرنے کی جرأت آزاد صاحب نے کیوں نہیں کی۔ خیر ان کی طرف سے ہم ہی یہ خدمت ادا کیے دیتے ہیں۔

”قال قتادة: أشياء استأثر الله بهن فلم يطلع عليهن ملكاً مقرباً ولا نبياً مرسلًا“

کچھ چیزوں کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا ہے تو اس پر نہ تو مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ نبی مرسل۔

”فلا تدري متى تقوم الساعة، في أي سنة، أو في أي شهر، أو ليل، أو نهار، فلا يعلم أحد متى ينزل الغيث ليلاً أو نهاراً. فلا يعلم أحد ما في الأرحام أذكر أم أنثى، أحمر أو أسود، وما هو ما تكسب غداً، خير أم شر. أي ليس أحد من الناس يدري أين مضجعه، أفي بحر أم بر، أو سهل أو جبل.“

[ابن کثیر جلد ۳، ص: ۴۵۵]

قیامت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کس سال، کس مہینہ، کس تاریخ، دن یا رات میں قائم ہوگی، بارش کو کوئی نہیں جانتا کہ دن رات میں کب نازل ہوگی۔ ماں کے پیٹ کا حال

کسی کو معلوم نہیں کہ مذکر ہے یا مؤنث ہے، لال ہے کالا ہے یا کیا ہے، یہ بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا، بھلا یا برا۔ یعنی کوئی نہیں جانتا کہ اس کا مرقد کہاں ہوگا، خشکی میں تری میں، پہاڑ میں میدان میں۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت کا وہی مطلب ہے جو آزاد صاحب کا خیال ہے، تو ان حدیثوں کا کیا جواب ہے جنہیں ہم نیچے ذکر کر رہے ہیں۔ اور ہم حضرت قتادہ کا قول مانیں جو بقول آپ کے صحابہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یا حضرت قتادہ کے مریدوں کے بھی مربی اور آقا، آقاے دو جہاں ﷺ کا قول تسلیم کریں۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ قیامت کس سن کس مہینہ اور کس تاریخ کو رات یا دن میں قائم ہوگی، مگر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”عن ميمون ابن مهران عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ويوم القيامة يوم عاشوراء.“ [غنية الطالبين جلد ۲، ص: ۴۶]

حضور ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت دسویں محرم کو قائم ہوگی۔

جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ قیامت محرم کے مہینہ میں دس تاریخ کو دن میں قائم ہوگی۔ لیکن اس کے آگے بھی ملاحظہ ہو:

”وعن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة، وفيه أخرج منها، ولا تقوم الساعة إلا يوم الجمعة.“ [رواه مسلم۔ مشکوٰۃ ص: ۱۱۹]

تمام دنوں میں اچھا جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا فرمائے گئے، اسی میں جنت میں داخل کیے گئے۔ اسی میں جنت سے نکالے گئے۔ اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

دوسری حدیث شریف ہے:

”وعنه وما من دابة إلا وهي مضجعة يوم الجمعة شققاً من الساعة إلا الجن والانس.“ [رواه مسلم۔ مشکوٰۃ ص: ۱۱۹]

سارے جان دار جمعہ کے دن صبح سے ہی قیامت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے

ہیں جن اور انسان کے علاوہ۔

کیا یہ حدیثیں پکار پکار کر نہیں کہہ رہی ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علی الرغم ان کے آقا اور رسول اللہ ﷺ نے قیام قیامت کا مہینہ، تاریخ، دن اور ٹائم سب بتا دیا۔ سنہ بلاشبہ نہیں بتایا۔ تو اس وقت عرب میں سن کا رواج ہی کہاں تھا۔ کم از کم دن، تاریخ، ٹائم، اور مہینہ میں تو قول قتادہ کی صاف تردید ہے۔

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ بارش کب ہوگی، کوئی نہیں جانتا۔ مگر ان کے آقا، آقاے نامدار مدنی تاجدار ﷺ کا قول سنئے ارشاد فرماتے ہیں:

”ثم يرسل الله المطر كأنه الظل، فينبت منه أجساد الناس.“

[مشکوٰۃ ص: ۴۸۱]

اللہ ایک بارش بھیجے گا پھر ہر جیسی تو لوگوں کے جسم اس سے اگ جائیں گے۔
کامل ابن اثیر میں ہے:

”قال أهل بيت من مزينة لصاحبهم، وهو بلال بن حارث المزني رضي الله تعالى عنه: قد هلكنا فاذبح لنا شاة، قال: ليس فيهن شيء، فلم يزالوا به حتى ذبح، فسلخ عن عظم أحمر فنادى يا محمداه، فرأى في المنام أن رسول الله ﷺ أتاه فقال: ابشر بالحياة.“

[کامل لابن اثیر جلد ۲، ص: ۲۷۴]

قبیلہ مزینہ کے کچھ لوگوں نے اپنے سردار بلال ابن حارث مزنی سے کہا: قحط سے ہم لوگ تباہ ہو گئے ہمارے لیے ایک بکری ذبح فرما دیجیے انہوں نے فرمایا: بکری میں گوشت بالکل نہیں رہ گیا ہے، مگر ان لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آپ نے بکری ذبح کی، کھال اتاری گئی تو سرخ سرخ ہڈیاں نکل آئیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے دور سے پکارا: یا محمداه۔ ان کے خواب میں سرکار تشریف لائے اور فرمایا: خوش ہو جاؤ زندگی آگئی۔

اب بتائیے کہ ہم قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات مانیں یا ان کے آقا حضرت بلال کی جو کہتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ نے مجھے بارش کی خوش خبری سنائی۔ اور ان کے بھی آقا سید عالم ﷺ کی جو آج ہی قرب حشر کی اس بارش کا ذکر فرماتے ہیں جس سے مردہ جسموں میں جان

آجائے گی۔ صلی اللہ علیہ والہ الامجاد وسلم۔

یہ بھی حضرت قتادہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا: پیٹ میں ہونے والے بچے کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں کہ نر ہے یا مادہ، اور کالا ہے یا گورا۔ لیکن آئیے مجبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث مبارک سنیں:

”عن أنس بن مالك عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن الله تبارك وتعالى وكل بالرحم ملكا يقول: يا رب! نطفة، يا رب! علقه، يا رب! مضفة، فإذا أَرَادَ اللهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهُ قال: أذْ كَرَامَ أَنْثَى، شَقَى أَمَ سَعِيد، فكتب في بطن أمه.“

[بخاری شریف ج اول، ص: ۳۶]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو کہتا رہتا ہے یا اللہ! ابھی نطفہ ہے، ابھی علقہ ہے، ابھی بستہ خون ہے، پس جب خدا اسے پیدا کرنا چاہتا ہے تو پوچھتا ہے: یہ مذکر ہوگا یا مؤنث، نیک بخت ہوگا یا بد بخت، پس ویسا ہی ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دیتا ہے۔

رئیس صاحب اس صحیح حدیث کو پڑھ کر بتائیں کہ جو فرشتہ ماں کے شکم میں مبعوث ہوا، اس کو پیدا ہونے سے پہلے ہی خدا نے مذکر اور مؤنث ہونا بتایا یا نہیں؟ اور خدا کے بتانے کے بعد بھی فرشتے کو قتل ولادت معلوم ہوا یا نہیں؟ اور نہیں معلوم ہوا تو شکم مادر میں لکھ کیسے دیا۔ کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ اور نیک بخت ہوگا یا بد بخت وغیرہ وغیرہ، یا پھر شاید یہ فرشتہ بھی آپ کے نزدیک خدا ہوگا۔ کہ بقول آپ کے ”اللہ پاک نے کسی کو اس کا علم دیا ہی نہیں۔“

دوسری حدیث مبارک خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ملاحظہ ہو:

”عن أم الفضل بنت الحارث أنها دخلت على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: يا رسول الله! اني رأيت حلمًا منكراً ألبته قال: ما هو؟ قالت: إنه شديد، قال: ما هو؟ قالت: رأيت كأن قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجري، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: رأيت خيراً، تلد فاطمة - إن شاء الله - غلاماً يكون في حجرک، فولدت فاطمة الحسن.“

[مشکوٰۃ جلد ۲، ص: ۲۵۸]

ام الفضل بنت حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا حضور میں نے

ایک بھیا نک خواب دیکھا ہے، حضور نے فرمایا: وہ کیا؟ عرض کیا: بہت سخت، ارشاد ہوا: کہو تو بولیں: میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم سے ایک گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا، آپ نے فرمایا: یہ تو بہت بہتر ہے۔ خدا نے چاہا تو قاطمہ کے بیٹا پیدا ہوگا جو ولادت کے بعد تیری گود میں رکھا جائے گا، تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔

جناب آزاد صاحب بتائیں کہ حضور ﷺ حضرت ام الفضل کو ولادت امام حسن کی پیش گی بشارت دے کر کیا معاذ اللہ خدا ہو گئے۔ اور یہ علم مافی الارحام کا بیان ہوا یا نہیں؟۔ ایک دوسری پیش گوئی جو اس سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ سنئے اور سر دھنیے:

”فان جاءت به أكحل العينين، سابغ الاليتين، خدلج الساقين، فهو لشريك بن سمحاء، فجاءت به كذلك، فقال النبي ﷺ: لولا ما مضى من كتاب الله لكان لي ولها شأن.“

[مشکوٰۃ جلد ۲، ص: ۱۷]

(ایک صحابی نے اپنی بیوی کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس کے شکم میں شریک بن سمحاء کا نطفہ ہے) آپ نے فرمایا: اگر بچہ سرگیں آنکھ والا، پھرے پھرے سرین والا، موٹی پنڈلیوں والا ہوا تو شریک بن سمحاء کا ہی نطفہ ہے، بچہ ویسا ہی پیدا ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ تب آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں میاں بیوی کے لیے لعان کا حکم نہ آیا ہوتا تو آج اس کا اور میرا دوسرا معاملہ ہوتا۔

اس حدیث مبارک میں سرکار نے ماں کے پیٹ میں بچہ کس کا ہے، کس رنگ و روغن کا ہے، کس حلیہ و نقشہ کا ہے سب بتا دیا۔ ”اقوال کی بحث“ کے ضمن میں آپ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول موطا کے حوالہ سے سن چکے ہیں کہ کس درجہ اعتماد و وثوق کے ساتھ اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرما رہے ہیں: میں دیکھ رہا ہوں کہ بنت خارجہ کے لطن سے پیدا ہونے والا بچہ تیری تیسری بہن ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ علم مافی الارحام کی روایتوں سے پورا ایک رسالہ تیار کیا جاسکتا ہے، لیکن ہم اس بحث کو یہاں ایک حیرت انگیز روایت پر ختم کرتے ہیں جسے صاحب سیرۃ ابن ہشام نے ابن اسحاق اور دیگر مورخین کی سند سے بیان کیا ہے:

”حتى إذا كان بعرق الطيبه لقوارجلأمن الأعراب، فسألوه عن

الناس، فلم يجدوا عنده خبراً، فقال له الناس: سلم على رسول الله ﷺ، قال: أو فيكم رسول الله، قالوا: نعم، فسلم عليه. ثم قال: إن كنت رسول الله فأخبر عما في بطن ناقتي هذه، فقال له مسلمة بن سلامه بن دفش: لا تسئل رسول الله ﷺ فأنا أخبرك عن ذلك. تذوت عليها ففني بطنها سخلة منك، فقال: رسول الله ﷺ أفحشت على الرجل ثم أعرض من مسلمة.

[سیرت ابن ہشام جلد ۲، ص: ۲۵۲]

حضور ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ جب مقام عرق طیبہ پر پہنچے تو ایک دیہاتی ملا، لوگوں نے اس سے قریش کی خبر پوچھی، اسے کوئی اطلاع نہ تھی، تب لوگوں نے اس سے کہا کہ تم رسول اللہ کو سلام کرلو، اس نے کہا: کیا تمہارے رسول اللہ بھی ہیں، بتایا گیا کہ ہاں، اس نے آکر آپ کو سلام کیا پھر کہا: اگر آپ رسول ہیں تو بتائیے کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے۔ مسلمہ ابن سلامہ نے اسے مخاطب کر کے کہا: حضور سے کیا پوچھتا ہے، آ میں تجھے بتا دوں، تو نے اس اونٹنی سے جفتی کھائی تو تیرا ہی نطفہ اس کے شکم میں ہے، حضور ﷺ نے مسلمہ سے فرمایا: تو نے اس کے ساتھ فحش گوئی کی اور منہ پھیر لیا۔

حضرت امام قتادہ کی طرف سے یہ قول بھی مروی ہے: ”لا تدري نفس ماذا تكسب غداً، أي: خيراً أم شراً.“ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کمائے گا، بھلائی یا برائی۔ لیکن ہمارا کہنا ہے کہ وہ ساری حدیثیں اور اقوال جو ہم نے ام المؤمنین اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال کی وضاحت میں ذکر کیے ہیں، یہاں دہرائے جاسکتے ہیں۔ کہ ان میں ہر روایت میں علم مافی الغد کا بیان ہے، بخاری کتاب الحج سے مزید دو حدیثیں ہم ذکر کر رہے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ کس وسعت و کثرت کے ساتھ احادیث نبوی میں کل کی خبریں دی گئی ہیں:

”عن عائشة قالت: فدخل علي رسول الله ﷺ وأنا أبكي فقال: ما يبكيك يا هنتاه، قلت: سمعت قولك لأصحابك فعمدت العمرة، قال: ما شانك، قلت: لا أصلي قال: لا يضرک، إنما أنت امرأة من بنات آدم، كتب الله عليك ما كتب عليهن، كوني في حجبك، فعسى الله أن يرزقها.“

[بخاری اول، ص: ۲۱۶]

حضور ﷺ میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی، آپ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو، میں نے عرض کی کہ آپ کو عمرہ کا حکم فرماتے سنا تو میں نے عمرہ کی نیت کر لی، فرمایا: پھر رونے کی کیا بات ہے۔ عرض کی میں نماز نہیں پڑھ سکتی، فرمایا: (غم کی بات نہیں) تم بھی عورت ہو اللہ پاک نے جیسے ساری بنات آدم پر ایک چیز لکھ دی ہے تم پر بھی، ارکان حج میں مصروف رہو، جلد ہی اللہ پاک عمرہ بھی نصیب فرمائے گا۔

”قال النبی ﷺ من الغدیوم النحر وهو بمنی: نحن نازلون غداً بخیف بنی کنانہ حیث تقاسموا علی الکفر، یعنی بذلک المحصب.“

[بخاری اول، ص: ۲۱۶]

حضور ﷺ نے یوم نحر کی صبح کو منیٰ میں فرمایا: ہم کل خیف بنی کنانہ میں قیام کریں گے جہاں کافروں نے کفر پر معاہدہ کیا تھا (یعنی وادی خیف)۔

اور حضرت قتادہ کی تفسیر میں یہ ٹکڑا بھی ہے، کوئی نہیں جانتا اس کی قبر کہاں بنے گی، جنگل میں کہہ دیرانے میں، یا خشکی میں کہ تری میں۔ لیکن حضور سید عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اپنے وصال کی خبر پائی، بلکہ اہل راز حضرات کو مطلع بھی کیا۔

بخاری شریف میں ہے:

”قال عمر: فما تقول؟ قلت: أجل رسول الله ﷺ أعلمه له، قال: ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ فذلك علامة أجلک، ﴿فسبح بحمد ربک واستغفره، إنه کان تواباً﴾.“

[بخاری ثانی، ص: ۷۷۳]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: سورہ اذا جاء کے بارے میں تم کیا کہتے ہو، تو وہ بولے اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی گئی ہے کہ مکہ فتح ہو تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے، پس آپ حمد الہی، بجالائیں، توبہ واستغفار کریں، وہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس حدیث مبارک میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ پاک جل جلالہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو دنیا سے تشریف لے جانے کی پیشگی خبر دے دی تھی، پھر لفظ یہ ہے کہ یہ شہادت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادا فرما رہے ہیں جو آیت: ﴿ان الله عنده علم

الساعة. ﴿کی تفسیر میں: ”من قال: إنه يعلم من هذه الأشياء فقد كفر بالقرآن العظيم.“ کہہ چکے ہیں، تو کیا ایک دفعہ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر کفر کا فتویٰ دیا۔ خبر وصال کی مزید تفصیل مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

”عن معاذ بن جبل لما بعثه رسول الله ﷺ إلى اليمن خرج معه رسول الله ﷺ يوصيه ومعاذ راكب ورسول الله ﷺ يمشي تحت راحلته، فلما فرغ قال: يا معاذ، إنك عسى أن لا تلقاني بعد عامي هذا، ولعلك تمر بمسجدي هذا وقبري فبكي معاذ جشعاً لفراق رسول الله ﷺ.“

[مشکوٰۃ شریف ص:]

حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے جب ان کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا، تو ہدایات دینے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ چلے، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اونٹ پر تھے اور رسول اللہ ﷺ زمین پر پیدل چل رہے تھے، وصیت سے فارغ ہو کر فرمایا: اے معاذ یہ بات ہونے والی ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کر سکو گے، اور میری مسجد میں میری قبر پر گزرو گے۔ حضرت معاذ یہ سن کر آپ کی جدائی کے غم سے تڑپ اٹھے اور رونے لگے۔

یہ حدیث مبارک سال اور جگہ کا تعین کر رہی ہے، اب خاص دن کی تشریح ملاحظہ ہو:

”عن أنس قال: لما ثقل النبي ﷺ جعل تغشاه الكرب، فقالت فاطمة: واكرب أباه، فقال لها: ليس على أبيك الكرب بعد اليوم. رواه البخاري“

[مشکوٰۃ ص: ۵۴۷]

حضور سید عالم ﷺ کا مرض جب بڑھ گیا تو تکلیف میں بھی بے حد اضافہ ہوا، یہ دیکھ کر حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ چیخ پڑیں ہاے ابا کو کتنی تکلیف ہے، آپ نے ان سے فرمایا: بیٹی آج کے بعد تیرے باپ کو کبھی تکلیف نہ ہوگی۔

ارشاد نبوی نہ صرف موت کا دن مقرر کر رہا ہے، بلکہ برزخ کی حیات کا مراں کی پیش خبری بھی فرما رہا ہے۔ الغرض حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس قول کا آزاد صاحب نے بڑے طمطراق سے حوالہ دیا تھا۔ ہم نے حدیث مبارک کی تشریحات سے اس کے ایک ایک

مکلوے کی وضاحت کر دی۔ کیا رئیس صاحب اپنے عامل بالحدیث ہونے کی لاج رکھیں گے، یا اب بھی قول قنادہ پر ہی ایمان لائیں گے۔

اس کے بعد رئیس صاحب نے ایک ایسی حدیث نقل کی ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس معرکہ رستاخیز میں ان کے حواس بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَوْتَيْتُ مَفَاتِيحَ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الْخُمْسَ)) مجھے ہر شے کے علم کی کنجی دی گئی علوم خمسہ کے سوا۔

سوال یہ ہے کہ آزاد صاحب کا اس حدیث رسول ﷺ پر اگر ایمان ہے اور اس کی صداقت پر دل سے یقین ہے اور اس کے معنی وہی ہیں جو انہوں نے بتائے ہیں تو یہ ان کی غیر مقلدیت کو چیلنج ہے، فوراً اپنے باطل مذہب سے توبہ صادقہ کریں اور صاف صاف اعلان کریں کہ حضور ﷺ کو علوم خمسہ کے سوا سارے ہی علوم کا علم تھا۔ اور آپ کے علم مبارک سے پانچ چیزوں کے علاوہ کسی چیز کا علم خارج نہیں ہے، کوئی غیر مقلد، کوئی سلفی، یا کوئی وہابی جو اس حدیث کی تشریح کے موافق حضور ﷺ کو ان پانچوں کے علاوہ جمیع اشیاء کا علم مانے! اگر نہیں تو ظالمو! جس حدیث کو تم خود قابل اعتقاد نہیں سمجھتے اس سے ہم پر حجت کس بوتے پر قائم کرتے ہو۔ کیا یہ عامہ مسلمین کو دھوکہ دینا نہیں ہوا؟ کیا قیامت قائم نہ ہوگی؟ اور کیا انصاف نہ ہوگا؟

بتاؤ یا روبرو زخم چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

شاید رئیس صاحب کو یہ معلوم تھا کہ علمائے اہل سنت اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بلاشبہ جب تک رسول اللہ ﷺ کو نہیں بتایا گیا تھا نہیں معلوم تھا، یہ حدیث اسی وقت کی ہے۔ اور بعد میں ضرور بتایا گیا، جیسی تو اور صحیح حدیث کے حوالہ سے گذرا کہ خمسہ میں سے ہر فرد کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی۔

اسی لیے ایک ایسی حدیث بھی نقل کی جس سے ان کے زعم میں اخیر تک حضور ﷺ کو قیامت کا علم نہیں دیا گیا۔ (سوچا ہوگا چلو علوم خمسہ نہ سہی علم قیامت ہی کی نفی ثابت ہو جائے۔ زخمی دل کو کچھ تو قرار آ جائے لیکن وہ سمجھتے نہیں فَمَا لَهُمْ مِنْ قَرَارٍ) فرماتے ہیں:

”عن جابر مرفوعاً قال: يقول قبل الموت بشهر: تسئلوني عن الساعة إنما علمها عند الله.“

حضور ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے فرمایا: تم مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو، اس کا علم تو خدا کے پاس ہی ہے۔

مثلاً مشہور ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، مگر ہمارے آزاد صاحب بے سہارے کے ہی ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ حدیث میں ہے قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کے خدا کے پاس ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ دوسرا اس کو نہیں جانتا، تو دنیا کے یہ سارے علوم جنہیں رئیس صاحب جیسے کم سواد لوگ بھی جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں یا نہیں ہیں۔ اور ضرور ہیں، تو جب وہ علوم بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہیں جنہیں دوسرے جانیں، اور وہ علوم بھی جنہیں دوسرے جانیں۔ تو ان علوم کے اللہ تعالیٰ کے پاس ہونے سے رسول اللہ ﷺ کے عالم ہونے کی نفی کیسے نکلے گی؟ رئیس صاحب علم ایک نور ہے جو مشکاۃ نبوت سے منقسم ہوتا ہے، اور آپ اسی مشکاۃ نبوت کی لودھم کرنے کے درپے ہیں، اس لیے اسی طرح اندھیرے میں بھٹکیں گے۔

دیکھیے امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم قیامت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں: چنانچہ آیت مبارکہ: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ [الجن: ۷۲-ت ۲۶] کی تفسیر میں فرماتے ہیں: کہ علیٰ غیب سے مراد علم قیامت ہے، پھر خود ہی اعتراض وارد کر کے جواب دیتے ہیں:

”فان قيل: فإذا حملتم ذلك على القيامة فكيف قال: ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾، مع أنه لا يظهر هذا الغيب لأحد من رسله، قلنا: بل يظهر عند القرب من القيامة، وكيف لا، وقد فان يوم تشقق السماء بالغمام، وتنزل الملائكة تنزيلاً، ولا شك أن الملائكة يعلمون في ذلك الوقت قيام القيامة.“

[تفسیر رازی ۲۹، ص: ۱۶۸-۱۶۹]

اگر یہ کہا جائے کہ غیب سے مراد علم قیامت لوگ تو الا من ارتضیٰ من رسول کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو قیامت کا علم بتاتا ہے۔ حالاں کہ یہ تو کسی کو معلوم

نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ رسولوں کو قیامت کا علم ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ قرب قیامت میں ان کو بتا دے گا، بلکہ یہ بات تو واقعی ہے، اللہ پاک قرآن میں فرماتا ہے: جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ پڑے گا اور فرشتے اتریں گے تو وہ فرشتے بلاشبہ اس وقت ہی سے قیام قیامت کے عالم ہوں گے۔

اس طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبل قیامت ہی، صرف رسول ہی نہیں خاص فرشتے بھی اس کے قیام کے وقت سے باخبر ہوں گے۔

الغرض رئیس صاحب کی یہ عجیب ڈھٹائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی رسول اللہ کو علم قیامت نہیں ہو سکتا۔ شاید ان کے پاس کوئی مخصوص وحی آئی ہے کہ اخیر وقت تک بھی اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں بتایا؟ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ ومعاذ الله رب العالمين۔

ثانیاً: ایک مہینہ مدت تو بہت زیادہ ہوتی ہے، اگر چند ساعت قبل از وصال بھی آپ نے علم قیامت کی نفی کی ہوتی تب بھی یہ امکان باقی رہتا کہ اس کے بعد علم قیامت کی تلقین ہوئی ہو۔ کیوں کہ مدعیان علم غیب وصال تک آپ کے علم کی تکمیل کے قائل ہیں۔ اور آپ کی بیان کردہ مدت کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف نہ صرف وحی غیر متلو بلکہ وحی متلو کا نزول ثابت ہے۔

”قد أخرج الإمام أحمد عن أنس بن مالك - رضي الله تعالى عنه - أن الله عز وجل تابع الوحي على رسول الله ﷺ قبل وفاته حتى توفي وأكثر ما كان يوم توفي رسول الله ﷺ.“

امام احمد انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عز وجل نے رسول اللہ ﷺ پر وفات سے پہلے تک مسلسل وحی نازل فرمائی بلکہ خاص وصال کے دن تو کثرت کے ساتھ۔

ثالثاً: رئیس صاحب نے اس کتاب کی تصنیف میں شاید دیانت و امانت گھول کر پی ڈالی ہے۔ گذشتہ صفحات میں آیت مبارکہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ کے سلسلہ میں ایک خیانت مجرمانہ کا ذکر کر چکا ہوں، یہاں بھی شیخ ملا علی قاری اور شیخ محقق علیہما الرحمۃ والرضوان کی عبارتیں نقل کر کے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کی عبارت کے کس لفظ، یا جملہ کا ترجمہ یا مطلب

ہے کہ آپ عالم غیب اور حاضر و ناظر نہ تھے۔

﴿وَأَنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ ونیست علم بہ تعین وقت آں مگر نزد خداوند عز و جل یعنی از وقت قیامت کبریٰ پرسید آں خود معلوم من نیست و آنرا جز خداے تعالیٰ نداند۔ لا یعلمها إلا هو، یعنی: تسئلوننی عن القیامة الکبریٰ، وعلمها عند الله وما أعلمه هو القیامة الصغریٰ“۔ [مرقاۃ ص: ۲۲۳]

قیامت کے وقت کی تعین کا علم خدا کو ہی ہے۔ یعنی تم مجھ سے قیامت کبریٰ کے بارے میں پوچھتے ہو، وہ تو خود مجھ کو معلوم نہیں اور اس کو خداے تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اس کو خدا ہی جانتا ہے، یعنی مجھ سے قیامت کبریٰ کے بارے میں پوچھتے ہو، اس کا علم تو خدا کے پاس ہے میں تو قیامت صغریٰ کو جانتا ہوں۔

یہ ہے دونوں بزرگوں کی عبارت جس کے حوالہ سے رئیس صاحب نے یہ تحریر کیا ہے ”ان دونوں حنفیوں نے اس حدیث کا مطلب یہی بتایا ہے کہ آپ عالم غیب اور حاضر و ناظر نہ تھے۔“ کیا صرف علم قیامت میں ہی عالم غیب اور حاضر و ناظر ہونا منحصر ہے، اگر نہیں تو اس کے انکار کا مطلب عالم غیب اور حاضر و ناظر ہوں کس طرح ہوا؟۔ سچ فرمایا گیا ہے: ”اذا لم تستحی فاصنع ما شئت“ شرم و حیا رخصت کر کے آدمی جو چاہے کرے۔ اور ہمارے مولانا رئیس صاحب نے خیر سے شرم و حیا کا آزار ہی نہیں پالا کہ ہوگی تو رخصت کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

اس کے بعد رئیس صاحب نے جو دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ان کا تعلق علم فی الغد اور قول قتادہ رضی اللہ تعالیٰ کے مضمون سے ہے جس کے بارے میں کافی عرض کیا جا چکا ہے۔ اس مضمون کے اخیر میں رئیس صاحب نے چند کتابوں کے حوالہ سے یہ کہا ہے کہ ان پانچوں کے علم کو اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ماننا اور آپ کی ذات سے ان کی نفی ماننے کا عقیدہ رکھنا فرض و واجب ہے۔

ذیل میں ہم مذکورہ کتابوں سے فرداً فرداً بحث کرتے ہیں:

مدارک شریف:

رئیس صاحب نے مدارک شریف جلد سوم ص: ۲۱۹ کے حوالہ سے لکھا ہے: ”امام

ابو حنیفہ جن کی تقلید کا دم بریلوی لوگ بھرتے ہیں کہتے ہیں کہ ان پانچوں کا علم اللہ کی ذات سے مخصوص ہے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

اولاً: ہم کو نہایت افسوس ہے کہ ہمارا سابقہ ایک ایسے نوآموز سے ہے جو علم کی ابجد سے بھی ناواقف ہے، اس لیے وہ نہایت بے باکی سے بات کہہ گزرتا ہے، جسے اہل علم زبان پر لاتے شرماتے ہیں۔ چنانچہ رئیس صاحب کو کون بتائے کہ صاحبزادے تقلید کا تعلق اعمال سے ہے، مسئلہ مذکورہ کا تقلید سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کا طعنہ بالکل بے موقع ہے، وہ الٹے آپ کو ہی منہ چڑھا رہا ہے۔

ثانیاً: امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام تو آپ نے لے دیا اور مدارک شریف کا حوالہ بھی آپ نے دے دیا، لیکن امام نسفی اور امام اعظم رضوان اللہ تعالیٰ علیہما میں کتنے زمانہ کا فاصلہ ہے، دونوں بزرگوں کے درمیان کتنے واسطے ہیں، کیا آپ اس قول کو امام اعظم تک سند متصل سے پہنچا سکتے ہیں۔ کیا اب تفسیری روایتوں اور تاریخی کہانیوں پر ہی آپ کے مذہب کا دار و مدار رہ گیا ہے۔ مولانا اپنے غیر مقلد اور عامل بالحدیث ہونے کا کچھ تو خیال فرمائیے۔ اور اس قسم کے بے سند اقوال پیش کرنے سے شرمائیے۔

ثالثاً: امام نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نقل کی ہوئی روایت آپ نے ایک جگہ دیکھ لی اور پوری کتاب میں جگہ جگہ انہوں نے کیا لکھا ہے شاید اس سے قصداً اغماض کیا۔ آئیے ہم آپ کو ان سب کی سیر کرائیں۔ آیت مبارکہ:

﴿يَجْتَنِي مِنْ رِسْلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”وَلَكِنْ اللَّهُ يَرْسِلُ الرَّسُولَ فِيْهِ حَيٌّ اِلَيْهِ بِأَنْ فِي الْغَيْبِ كَذَا، وَإِنْ فَلَانًا فِي قَلْبِهِ النِّفَاقُ، وَفَلَانًا فِي قَلْبِهِ الْإِخْلَاصُ، فَيَعْلَمُ مِنْ جِهَةِ إِخْبَارِ اللَّهِ لَا مِنْ جِهَةِ نَفْسِهِ. وَالْآيَةُ حُجَّةٌ عَلَى الْبَاطِنِيَّةِ، فَإِنَّهُمْ يَدْعُونَ ذَلِكَ الْعِلْمَ لِإِمَامِهِمْ، فَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ لَهُ النَّبُوَّةُ مَارَوْى الْمُخَالَفِينَ لِلنَّصِّ حَيْثُ اثْبَتُوا عِلْمَ الْغَيْبِ لغيرِ الرَّسُولِ، وَإِنْ اثْبَتُوا النَّبُوَّةَ لَهُ صَارُوا مُخَالَفِينَ لِنَصِّ آخَرٍ، وَهُوَ قَوْلُهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.“

[آل عمران مدارک مع الاکلیل ص: ۸۵]

لیکن اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا ہے تو ان کی طرف وحی کرتا ہے کہ غیب میں یہ ہے، اور فلاں

مناقہ ہے، اور فلاں کے دل میں اخلاص ہے، تو اللہ کا رسول اللہ کے خبر دینے سے غیب جانتا ہے، خود نہیں جانتا، اور یہ آیت فرقہ باطنیہ پر حجت ہے، کیوں کہ وہ اپنے اماموں کے لیے غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں (تو دو حال سے خالی نہیں) انہیں نبی نہیں مانتے ہیں، تو اس آیت کی مخالفت کہ غیر نبی کے لیے غیب ثابت کرتے ہیں، اور اماموں کو نبی مانتے ہیں تو آیت مبارکہ خاتم النبیین کی مخالفت کرتے ہیں۔

یہ عبارت چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہے کہ اللہ پاک اپنے رسولوں کو غیب کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے غیب کا اثبات کرنا قرآن وحدیث کے خلاف نہیں، البتہ غیر نبی کے لیے غیب کا دعویٰ قرآن کے خلاف ہے۔

دوسری آیت: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ [سورة الجن] کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ﴾ خبر مبتداء، أي: هو عالم الغيب ﴿فَلَا يُظْهِرُ﴾ فلا يطلع ﴿عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ من خلقه ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾، إلا رسولا قد ارتضاه لعلم بعض الغيب ليكون أخباره بالغيب معجزة له، فإنه يطلعه على غيبه ماشاء، و﴿من رسول﴾ بيان لمن ارتضاه، والولي إذا أخبر بشيء فهو جازم عليه لكنه أخبره بناء على رواه، أو بالفراسة على أن كل كرامة للولي فهي معجزة للرسول۔“

”وذكر في التاويلات، قال بعضهم: في هذه الآية بدلالة تكذيب المنجمة وليس كذلك، فإن فيهم من يصدق خبره، وكذلك الطيبة يعرفون طبائع النبات، وذلك لا يعرف بالتأمل، فعلم بأنهم وقفوا على علمه من جهة رسول انقطع أثره وبقي علمه في الخلق۔“ [مدارك جلد رابع ص: ۳۰۶]

اللہ تبارک وتعالیٰ عالم الغیب ہے، تو مخلوق میں سے کسی کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا، مگر رسولوں میں سے جس کو پسند کرتا ہے، انہیں بعض علوم غیبیہ کی خبر دینے کے لیے منتخب فرماتا ہے کہ اپنے خاص غیب میں سے جس کو چاہے بتادے اور یہ رسول کے لیے معجزہ ہو جائے۔ اور ولی جب کسی چیز کی خبر دیتا ہے تو گویا اس کا یقین رہتا ہے، لیکن یہ اخبار بالغیب

رویائے صادقہ یا فراست ایمانیہ کے طور پر ہوتا ہے۔ کہ ولی کی کرامت رسول کا مجزہ ہوتا ہے۔ تاویلات میں لکھا ہے کہ اس آیت میں مجتہدین کی خبر کی البتہ تکذیب ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں، منجموں کی بہت سی خبریں صحیح ہوتی ہیں۔ اسی طرح طبیب بھی دواؤں کی خاصیات بتاتے ہیں جو عقلی سوچ بچار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی رسول کا بتایا ہوا علم ہی ہے جس کے نشانات کا بھی اب پتہ نہیں مگر علم ان کا اب بھی باقی ہے۔

یہ عبارت بھی پکار پکار کا اعلان کر رہی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسولوں کو اپنے مخصوص غیب پر مطلع کرتا ہے۔ اور نہ صرف رسول بلکہ رسولوں کے واسطے سے اولیا بھی غیب پر مطلع ہوتے ہیں اور اس کی یقینی خبر دیتے ہیں۔ بلکہ اطبا بھی دواؤں کے یقینی خواص میں بلاشبہ رسولوں کے خوشہ چیں ہیں۔

پس صورت حال یہ ہے تو سورۃ لقمان کی تفسیر میں ذکر کی ہوئی اس روایت: ”منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو ان سے اپنی عمر کی میعاد دریافت کی، انہوں نے پانچوں انگلیوں سے اشارہ کیا، مبعرین میں سے کسی نے پانچ سال کی مدت بتائی، تو کسی نے پانچ مہینہ اور کسی نے پانچ دن۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا: اشارہ قرآن کی آیت مبارکہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ کی طرف ہے، کہ ان پانچوں کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں۔“

تو اس کا مطلب امام نسفی کے نزدیک یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے بھی رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا ہی نہیں۔ بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ یہ علم اسرار ہے، عوام کو بتانے کا نہیں، ورنہ کیا ملک الموت بھی موت کے وقت سے پیشی آگاہ نہیں؟ پھر روح کیسے قبض کرتے ہیں؟ اور پھر بخاری شریف کی اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا، جس میں رحم پر ایک فرشتہ موکل کرنے کی تصریح ہے، جو شکم مادر میں ہی موت، رزق اور شقی اور سعید لکھ دیتا ہے۔ کیا وہ بھی بے جانے پوچھے ہی موت کا وقت لکھ دیتا ہے؟ رئیس صاحب آپ نے عداوت مصطفیٰ ﷺ کا خمار دیکھا جس نے آپ کو کہیں کا نہیں رکھا۔

یقینی شرح بخاری:

عمدة القاری جلد ۷، ص: ۶۱ کے حوالہ سے رئیس صاحب نے تحریر فرمایا:

”علامہ عینی حنفی نے امام زجاج سے نقل کر کے سکوت کیا کہ جس نے ان پانچوں میں سے کسی کے علم کا دعویٰ کیا اس نے قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا۔“

ہم کو حیرت ہے کہ یہ شخص کس طرح جیتی مکھی نگل جاتا ہے، اور ڈکار تک نہیں لیتا۔ امام عینی نے امام زجاج کا قول نقل کرنے سے چند سطر پہلے فرمایا:

”رواہ البخاری مطولاً باب سوال جبرئیل عن الإیمان والإسلام ولفظه ”فی خمس لا یعلمهن الا الله.“

امام بخاری نے یہ پوری حدیث باب سوال جبرئیل کتاب الایمان میں نقل کی جس میں جبرئیل امین علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان اور اسلام کے بارے میں پوچھا تھا، وہاں ان الفاظ میں حدیث ہے: فی خمس لا یعلمهن الا الله۔ [یعنی جلد ۷، ص: ۶۰]

جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث کتاب الایمان میں بھی نقل فرمائی ہے۔ اصولاً یہ دیکھنا چاہیے کہ امام عینی نے وہاں بھی کچھ کہا ہے یا نہیں؟۔ اور ہم خوب سمجھتے ہیں کہ رئیس صاحب نے اس مقام کو بھی ضرور دیکھا ہے۔ لیکن اس کا حوالہ اس لیے نہیں دیا ہے کہ اس کے اظہار میں رئیس صاحب کی موت ہے۔ کیوں کہ اس کے اظہار کے بعد ہم پر افترا کا جو الزام لگایا ہے اس کی قلعی بھی کھل جاتی اور امام زجاج کے قول کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ وہاں امام عینی فرماتے ہیں:

”(فی خمس الى آخره) قال القرطبي لا مطمع لأحد في علم شيء من هذه الأمور الخمس بهذا الحديث، وقد فسر النبي ﷺ قول الله تعالى ﴿وَعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو﴾ بهذه الخمس، وهو الصحيح، قال: فمن ادعى علم شيء منها غير مسند إلى رسول الله ﷺ كان كاذباً في دعواه.“

[عمدة القاری جلد اول ص: ۲۹۰]

(فی خمس) امام قرطبی نے فرمایا: ان پانچوں میں سے کسی کے علم کا کوئی لالچ نہ کرے، یہ بات اس حدیث سے ثابت ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے آیت مبارکہ مفاتيح الغيب کی انہیں پانچ سے تفسیر فرمائی ہے اور یہی صحیح ہے۔ پس اگر کوئی ان میں سے کسی چیز کے علم کا رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کیے بغیر دعویٰ کرے اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حدیث مبارکہ ((فی خمس لا یعلمهن إلا اللہ)) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ بھی نہیں جانتے، نہ یہ مطلب ہے کہ وہ بھی نہیں جانتا جو یہ کہے کہ مجھے ان کا علم رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے ہوا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ نہیں جانتا جو بطور خود انکل سے جاننے کا مدعی ہے۔ حضور کے واسطے سے ان امور کے علم کا دعویٰ کرنے والا جانتا ہے، تو خود حضور کیوں نہ جانیں گے۔

ناظرین! غور فرمائیں، اس وضاحت و تشریح کے بعد امام عینی کیا بولتے، پس امام عینی کا کوئی قصور نہیں کہ وہ چپ رہے ان کو تو جو بولنا تھا بول چکے، جو کچھ قصور ہے رئیس صاحب کا ہے کہ سن کر بھی اُن سنی کر دی۔ مگر اس کی رئیس صاحب سے کیا شکایت کی جائے۔

ارشاد الہی ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ ۚ لَأَسْمِعَ الدُّعَاءَ﴾

[النساء: ۳۷-ت ۸۰]

نہ مردوں کو حق بات سنائی جاسکتی ہے نہ بہرے حق کی پکار سن سکتے ہیں۔

ارشاد الساری للاحمد قسطلانی:

اس کتاب کے ساتھ بھی رئیس صاحب نے وہی معاملہ کیا، جسے امام عینی کی عمدۃ القاری کے ساتھ رد رکھا، صورت حال یہ ہے: امام بخاری نے حدیث جبریل علیہ السلام کے بیان کے لیے جو عنوان قائم کیا ہے اس عنوان کی تشریح کے سلسلہ میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ضمنائے فرماتے ہیں:

”يدخل فيه اعتقاد وجهي الساعة، وعدم العلم بوقتها لغير الله تعالى؛

[قسطلانی ج ۲، ص: ۱۱۴]

لأنهما من الدين.“

قیامت کے وجود کا اعتقاد اور اس کے وقت کا غیر اللہ کے لیے معلوم نہ ہونا دینی مسائل میں داخل ہیں۔

اتنی ہی عبارت پر رئیس صاحب نے وہ عبارت کھڑی کی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا کہ ”ان پانچوں کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے خاص اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی نفی کا عقیدہ فرض و واجب ہے“۔ جب کہ امام قسطلانی نے صرف قیامت کا نام لیا ہے بقیہ علوم کا نہیں۔

پھر ص: ۱۶۲ پر خاص حدیث مبارکہ: فی خمس لا یعلمهن کی تفسیر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”قال القرطبي: لا مطمع لأحد في علم شيء من هذه الأمور الخمس لهذا الحديث، فمن ادعى على شيء منها غير مستند إلى رسول الله ﷺ كان كاذباً في دعواه.“

[قسطلانی اول، ص: ۱۱۶]

امام قرطبی نے فرمایا کہ کوئی بھی ان پانچ امور کے علم کا لالچ نہ رکھے، اگر کسی نے ان میں سے کسی کے علم کا دعویٰ رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دیے بغیر کیا تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا۔ اس عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دے کر کہ ان کے ذریعہ سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص ان امور خمسہ کے علم کا دعویٰ کرے تو ہرگز غلط نہ ہوگا۔ اس توضیح کے بعد جاہل سے جاہل آدمی بھی یہی فیصلہ کرے گا کہ امام قسطلانی نے طراز باب کی تشریح میں جو عدم علم لغير الله فرمایا ہے اس غیر سے مراد مستند الی رسول اللہ نہیں ہے، ورنہ امام قسطلانی یہاں اس کا استثناء نہیں کرتے۔ کیا اتنی سی بات امام قسطلانی بھول سکتے ہیں کہ دو صفحہ پیچھے میں نے کیا کہا ہے اور اب دو صفحہ بعد اس کا خلاف کیسے کر رہا ہوں۔ یہ کام تو رئیس صاحب کا ہے۔ ﴿تؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض﴾

بیضاوی شریف:

اس کتاب کے ساتھ محترم جناب رئیس صاحب نے عجیب مذاق کیا ہے۔ بیضاوی شریف جلد ۲، ص: ۵۶ کے حوالہ سے وہ دعویٰ کیا ہے جس کا ذکر ہم گزشتہ سطور میں کر آئے ہیں۔ ہمارے یہاں بیضاوی شریف مطبع مصطفیٰ البابی ۱۳۵۸ھ ہے، اس میں ہم نے مذکورہ حوالہ تلاش کیا جو اس صفحہ میں ناپید ہے۔ اس لیے مختلف مقامات پر اس بحث کو تلاش کیا۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

امام بیضاوی آیت مبارکہ: ﴿یؤمنون بالغیب﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”والمراد به الخفي الذي لا يدركه الحس ولا يقتضيه بديهه العقل،

وهو قسمان: قسم لا دليل عليه وهو المعنى بقوله تعالى: ﴿وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو﴾ وقسم نصب عليه دليل كصانع وصفاته واليوم الآخر وأحواله وهو المراد في هذه الآية.“

[بیضاوی اول، ص: ۱۴]

غیب سے مراد وہ پوشیدہ امر ہے جسے حس نہ معلوم کر سکے، اور بجاۃ عقل نہ جان سکے، غیب کی دو قسمیں ہیں: (۱) جس پر کوئی علامت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قول مفاتح الغیب میں وہی غیب مراد ہیں جن پر علامت نہیں۔ اور ایک قسم وہ جس پر علامتیں ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، قیامت اور اس کے احوال۔ آیت یومنون بالغیب میں یہی مراد ہیں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: بعض غیب کو بندہ دلائل سے معلوم کر سکتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور یوم آخر اور اس کے احوال، اور کچھ غیب ایسے ہیں جن کو دلائل و براہین سے معلوم نہیں کیا جاسکتا جیسے مفاتح الغیب یا علوم خمس۔

پھر سورہ آل عمران آیت مبارکہ: ﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”مَا كَانَ اللَّهُ لِيُوتِيَ أَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُطْلِعَ عَلَى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَإِيمَانٍ، وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ لِرِسَالَتِهِ مَنِ يَشَاءُ فَيُوحِيْ إِلَيْهِ وَيُخْبِرُهُ بِبَعْضِ الْمَغْيِبَاتِ أَوْ يَنْصِبُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهَا.“ [بیضاوی اول، ص: ۱۱۷]

اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب دے کر دلوں میں چھپے ہوئے کفر و ایمان پر مطلع نہیں کرتا، لیکن اپنی رسالت کے لیے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ تو اس کی طرف وحی کرتا ہے، اس کو بعض مغیبات کی خبر دیتا ہے۔ اور ان کے لیے غیب پر علامت مقرر فرماتا ہے۔

سورہ بقرہ میں دو قسمیں کہیں ”مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ وَمَا دَلِيلَ عَلَيْهِ“ ما دلیل علیہ تو عامہ مومنین کا حصہ قرار دیا۔ اب یہ ما لا دلیل علیہ ہی تھا جس کے لیے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے لیے ان پر دلیل بھی قائم فرماتا ہے، اور وحی کے ذریعہ بھی خبر دیتا ہے۔ بات یہاں بھی اگرچہ واضح ہے مگر سورہ جن شریف میں تسمہ بھی لگا نہیں رکھا فرماتے ہیں:

”أَيُّ: عَلَى غَيْبِهِ الْمَخْصُوصُ بِهِ عِلْمُهُ ﴿الَا مِنْ أَرْتَضَى﴾ لَعَلَّ بَعْضَهُ حَتَّى يَكُونَ مَعْجَزَةً لَهُ، ﴿مَنْ رَسُولٌ﴾ بَيَانٌ لِمَنْ، وَاسْتِدْلَالٌ بِهٖ عَلَى بَطَالِ الْكِرَامَاتِ، وَجَوَابُهُ تَخْصِيصُ الرِّسَالِ بِالْمَلِكِ، وَالْإِظْهَارُ بِمَا يَكُونُ بَغَيْرِ وَاسِطَةٍ، وَكِرَامَاتُ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى الْمَغْيِبَاتِ إِنَّمَا تَكُونُ تَلْقِئًا عَنِ الْمَلَائِكَةِ.“

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص غیب پر جو اس کی ذات کے لیے خاص ہے اطلاع و علم کے لیے پسندیدہ رسولوں کو چن لیتا ہے، اس آیت سے اولیائے کرام کے علم غیب کا انکار کیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کی تخصیص فرشتوں سے ہے، اور اظہار وہ ممنوع ہے جو بے واسطہ ہو۔ اور اولیائے کرام جو غیب ظاہر فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے واسطہ سے ہے۔

یہ عبارت ببالغ دہل اعلان کر رہی ہے کہ وہ غیب جس کو بیضاوی مخصوص بذات باری مانتے ہیں۔ انہیں پر رسولوں کے مطلع ہونے کے قائل ہیں، بلکہ اولیاء اللہ بھی از روئے کرامت ان پر مطلع ہو سکتے ہیں۔

اب اس اعلان و وضاحت کے بعد رئیس صاحب کو اختیار ہے، چاہے حق سنیں چاہے اپنی ہی کہے جائیں۔

تفسیر امام رازی:

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر کے ساتھ بھی رئیس صاحب نے وہی معاملہ کیا جو امام بیضاوی کی تفسیر کے ساتھ۔ ہمارے پاس تفسیر کبیر کے دو نسخے ہیں: ایک جدید الطبع صرف تفسیر کبیر کا جو تیس جلدوں میں ہے۔ دوسرا قدیم نسخہ جس کے حاشیہ پر تفسیر ابو سعود ہے، رئیس صاحب نے اپنا مخصوص دعویٰ تفسیر کبیر جلد ششم ص: ۵۰۳ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اول الذکر نسخے کی جلد ششم میں پانچ سو صفحے ہیں، ہی نہیں۔ ثانی الذکر کے صفحہ پانچ سو تین پر رئیس صاحب کے دعویٰ کا کہیں دور دور پتہ نہیں۔ دعویٰ کا کیا ذکر پورے صفحہ میں علم غیب کا ہی کوئی تذکرہ نہیں۔ البتہ پوری تفسیر کبیر میں بہت سی جگہوں پر امام رازی نے علم غیب کے مباحث ذکر فرمائے ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے کچھ ذکر کرتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جائے گا کہ ان تشریحات کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ امام رازی وہ بات کہیں جس کو رئیس صاحب ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یومنون بالغیب کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”الثانی: هو قول جمهور المفسرين. إن الغیب هو الذي يكون غائباً عن الحاسة، ثم هذا الغیب ينقسم إلى ما علیہ دلیل، وإلى ما ليس علیہ دلیل، فالمراد من هذه الآية مدح المتقين بأنهم یومنون بالغیب الذي دل علیہ

دلیل۔“

[تفسیر رازی دوم ص: ۲۷]

دوسرا قول جمہور مفسرین کا ہے کہ غیب اسے کہتے ہیں جو حاسہ سے غائب ہو، غیب کی دو قسمیں ہیں: وہ جس پر دلیل و قرائن ہوں اور وہ جس پر کوئی دلیل و قرینہ نہ ہو۔ تو اس آیت مبارکہ میں متقیوں کی اس بات پر تعریف کی گئی ہے کہ وہ اس غیب پر ایمان لاتے ہیں، جو قرائن و اسباب سے جانا جاتا ہے۔

یہاں امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہی بات کہی ہے، جسے امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ غیب کی دو قسمیں ہیں: بادل اور بے دلیل۔ اور بادل غیب مومنوں متقیوں کو حاصل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری جگہ بھی اس مسئلہ پر نص فرماتے ہیں:

”العبد يعلم الغیب أم لا؟ قلنا: قد بینا أن الغیب ینقسم إلى ماعلیہ دلیل، والی مالا دلیل علیہ. أما الذی لا دلیل علیہ، فهو سبحانه وتعالی العالم به لا غیر، وأما الذی علیہ دلیل فلا یمتنع أن تقول نعلم من الغیب مالنا علیہ دلیل.“

[تفسیر رازی دوم ص: ۲۸]

بندہ غیب جانتا ہے یا نہیں، ہم بتا چکے ہیں۔ کہ غیب کی دو قسمیں ہیں، تو جس غیب پر دلیل نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ دوسرا نہیں، اور جس غیب پر دلیل ہے، اس کے لیے ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم اس کو جانتے ہیں۔

اس طرح امام رازی اور قاضی بیضاوی دونوں بزرگوں نے اس امر کی تصریح فرمادی کہ غیب کی ایک قسم ایسی ہے جو بندوں کو قطعاً حاصل ہے۔ اور وہابی حضرات کے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھول دی کہ ”غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا“ ہاں غیب کی ایک قسم ایسی ضرور ہے۔ جو مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے، اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں وہی ”مفاح الغیب“ ہیں۔

غیب دانی میں نبی اور غیر نبی برابر ہیں یا انبیاء کو کچھ برتری حاصل ہے۔ اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فان سنة الله جارية بأنه لا يطلع عوام الناس على غيبه، بل لا سبيل لكم إلى معرفة ذلك الامتياز إلا بالامتحانات، فأما معرفة ذلك على سبيل

الاطلاع من الغیب فهو من خواص الأنبياء، فلهذا قال: ﴿ولكن يجتبي من رسله من يشاء﴾“

[تفسیر رازی نجم ص: ۱۱۱]

اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ عام لوگوں کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا، ان کے لیے علم غیب کی معرفت کا ذریعہ تجربہ اور اسباب و ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرستادہ بھیج کر غیب کی اطلاع کرے یہ انبیاء کے خواص سے ہے، اسی لیے قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اطلاع دیتا ہے۔

یہ بات صاف ہو جانے کے بعد کہ انبیاء علیہم السلام غیب دانی میں عوام کی طرح اسباب و ذرائع کے پابند نہیں، انہیں براہ راست تعلیم الہی کے ذریعہ یہ علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ سوال قابل غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تعلیم کے ذریعہ جو غیب حاصل ہوتا ہے وہ کون سا علم غیب ہے، وہ جو عوام کا حصہ یعنی مادیل علیہ ہے، یا وہ غیب ہے جو مالا دلیل علیہ ہے۔ یعنی جس کو امام رازی نے مخصوص بذات باری فرمایا۔ اور امام بیضاوی نے مفتاح الغیب کہا۔ اس امر کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

”احتج أهل الإسلام بهذه الآية على أنه لا سبيل إلى معرفة المغيبات إلا بتعليم الله تعالى، وأنها لا يمكن التوصل إليها، وتظهره قوله تعالى: ﴿عنده مفاتيح الغيب﴾. وقوله: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول﴾“

[تفسیر رازی ثانی ص: ۲۰۹]

اہل اسلام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ غیب کی معرفت کا ذریعہ صرف تعلیم الہی ہے، علم نجوم، کہانت، عرافہ، وغیرہ سے اس کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، اس امر کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول ﴿عنده مفاتيح الغيب﴾ اور ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾ (الآیۃ) سے ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جس غیب کی معرفت کا ذریعہ صرف تعلیم الہی ہے، دوسرے اسباب و ذرائع سے حاصل نہ ہو سکے، وہ وہی علم غیب ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس کو رازی وقاضی علیہما الرحمہ نے ”مفتاح الغیب“ اور ”مخصوص بذات باری“ کہا ہے، ورنہ وہ غیب جس پر دلیل ہے اس کے بارے میں فیصلہ ہی کر آئے ہیں کہ وہ اسباب و ذرائع سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ تعلیم کے ساتھ

خاص نہیں۔ پس یہی مخصوص غیب تعلیم کے ساتھ خاص اور تعلیم غیب انبیاء کے لیے خاص۔ تو ثابت ہوا کہ مفتاح الغیب بذریعہ تعلیم انبیاء علیہ السلام کو معلوم ہوتے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس اصولی بحث نے ہی آزاد صاحب کی اس فضا بندی کا مطلع صاف کر دیا کہ امام رازی رسول اللہ ﷺ سے ان پانچوں علم کی نفی فرض قرار دیتے ہیں ”لیکن علوم خمسہ میں سے خاص علم قیامت کی تعلیم و اطلاع وہی کی وضاحت نے (حوالہ گذرا) تو سر بازار ننگا کر دیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اشیا غیب مخصوص بذاتہ تعالیٰ کے بارے میں بھی امام رازی کی تصریحات ہدیہ ناظرین کی جائیں۔ فرماتے ہیں:

﴿ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين﴾. وفائدة هذا الكتاب أمور: أحدها أنه تعالى إنما كتب هذه الأحوال في اللوح المحفوظ لتقف الملائكة على نفاذ علم الله تعالى في المعلومات، وأنه لا يغيب عنه مما في السموات والأرض شيء، فيكون في ذلك عبرة تامة كاملة للملائكة الموكلين باللوح المحفوظ، لأنهم يقابلون به ما يحدث في صحيفة هذا العالم فيجدونه موافقاً له.“ [تفسیر رازی جلد ۱۳، ص: ۱۱]

ہر خشک و تر لوح محفوظ میں ہے۔ اس کتاب کے چند فائدے ہیں: پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ فرشتے مکتوبات لوح محفوظ کے ذریعہ ساری کائنات میں علم الہی کے نفاذ پر آگاہ ہوں کہ آسمان و زمین کی کوئی شے بھی علم الہی سے غائب نہیں ہو سکتی، اور ان فرشتوں کو عبرت تامة کاملہ حاصل ہو جو لوح محفوظ کا عالم میں رونما ہونے والے حادثوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو جیسا اس میں لکھا رہتا ہے ویسا ہی دنیا میں ہوتا پاتے ہیں۔

اللہ اللہ لوح محفوظ پر مقرر فرشتوں کی عبرت تامة و کاملہ اور علم الہی کے نفاذ کی تعلیم کے لیے لوح محفوظ ان کے پیش نظر کر دی گئی، کہ آئندہ واقعات کی رپورٹ لوح محفوظ میں دیکھیں، اور ہونے والے حوادث کا ان سے مقابلہ کریں۔

لیکن جس رسول کو سارے انسانوں کے لیے عبرت و بصیرت کا سرمایہ، سبب معرفت علم قدرت الہی بنا کر بھیجا انہیں ہی لوح محفوظ تو کیا آنے والے واقعات سے بھی بے خبر رکھا۔ انا للہ

وانا الیہ راجعون۔

مگر ہماری گزارش تو آزاد صاحب سے یہ ہے کہ یہ وہی امام رازی ہیں جو بقول آپ کے رسول ﷺ کو علوم خمسہ سے بے خبر ماننا فرض قرار دے رہے تھے۔ کہ وہ علم الہی کا خاصہ ہے۔ مولکان لوح محفوظ کے لیے اتنے فراخ دل کیسے ہو گئے۔ کہ نہ صرف علوم خمسہ بلکہ خشک وتر کا عالم بنادیا۔ کیا معاذ اللہ یہ فرشتے بھی ذات الہی میں کوئی حصہ رکھتے ہیں؟ سبحان اللہ فر من ا لمطر وقام تحت المیزاب، بارش سے بھاگ کر پر نالے کے نیچے کھڑا ہونا اسی کو کہتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات عالیہ اور بھی ہیں، فی الحال ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

خازن شریف:

اس کتاب میں رئیس صاحب نے ہاتھ کی صفائی سے خوب خوب کام لیا ہے۔ کم پڑھے لکھے ناظرین پر یہ تاثر قائم کرنے کے لیے کہ موصوف کی تائید میں بہت ساری کتابیں ہیں، ڈھیروں حوالے اور سارے ہی اساطین اسلام ہیں۔ ایک ہی حوالہ بار بار روپ بدل کر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً: علامہ نسفی کی تفسیر جلد سوم ص: ۲۱۹ کی عبارت کا حوالہ تین جگہ دیا، ایک جگہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کر کے، دوسری دو جگہوں پر امام نسفی کے کلام کی حیثیت سے، پھر صفحہ کے نمبر میں بھی یہ چابک دستی فرمائی کہ دو جگہ جلد سوم ص: ۳۱۹، لکھا اور ایک جگہ ۲۱۹ کہ بے علم دیکھے تو سوچے علاحدہ علاحدہ حوالے ہیں، اور جانکار ٹوکے تو تاویل سامنے ہے کہ کتابت کی غلطی ہے۔ مقصد یہ کہ جس طرح اور جتنے لوگ دھوکہ میں پڑ سکیں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

تفسیر کبیر اور بیضاوی کا حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ تفسیر ابوسعود میں صفحہ موجود جلد کا حوالہ غائب ہے۔ اسی قسم کا کرتب تفسیر خازن شریف کے ساتھ بھی روا رکھا ہے۔ جلد خامس ص: ۱۸۳، کی عبارت کا حوالہ تین جگہ دیا، ایک جگہ صرف صفحہ نمبر کا، دو جگہ عبارت لکھی اس میں یہ چالاکی کی کہ ایک جگہ ذرا تھوڑی اور دوسری جگہ پر کچھ طویل، صفحات کے حوالہ میں دو جگہ ص: ۱۸۳ اور ایک جگہ ۱۸۵، مقصد غالباً یہی کہ نادان دیکھے تو کہے واہ واہ کیا حوالوں کی بھر مار ہے۔ اور دانا ٹوکے تو تاویلوں کا سہارا لیا جائے۔

ذیل میں ہم امام خازن کی محولہ عبارت بھی نقل کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد خود ان کا فیصلہ بھی تاکہ اہل انصاف خود ہی فیصلہ کر لیں کہ رئیس صاحب حق و دیانت کا گلہ گھوٹنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ، ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ الْآيَةُ. وَمَعْنَى الْآيَةِ أَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، فَلَا يَدْرِي أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ، فِي أَيِّ سَنَةٍ، أَوْ أَيِّ شَهْرٍ، أَوْ أَيِّ يَوْمٍ لَيْلاً وَنَهَاراً، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مِنْ هَذِهِ الْخَمْسَةِ لَا يَعْلَمُهَا مَلِكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُصْطَفًى، فَمَنْ ادَّعَى أَنَّهُ يَعْلَمُ شَيْئاً مِنْ هَذِهِ فَإِنَّهُ كَفَرَ بِالْقُرْآنِ؛ لِأَنَّهُ خَالَفَهُ. [تفسير خازن خامس ص: ۱۸۳]

اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ مفتح غیب پانچ چیزیں ہیں جن کا بیان ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ والی آیت میں ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی یہ نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی، کس سن کس مہینہ کس دن یا رات میں۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان پانچوں کا علم نہ مقرب فرشتہ کو ہے نہ نبی مرسل کو، تو جو کوئی ان میں سے کسی کا دعویٰ کرے تو اس نے قرآن کا کفر کیا کہ اس کی مخالفت کی۔

خازن شریف کی یہ پوری عبارت، حضرت ابن عمر کے قول ابن عباس کے فرمان اور تفسیر قتادہ کے بعض حصوں کا مجموعہ ہے، جس میں سے بعض کو تو رئیس صاحب نے بار بار ریپٹ کیا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم ان پر پوری روشنی ڈال چکے، دوبارہ اعادہ تطویل لا طائل ہے۔ لیکن امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر کی دوسری جلد ص: ۲۶۶، پر خود ہی اس مسئلہ کا فیصلہ فرمادیا ہے، کسی دوسرے کے لیے باقی نہیں لگا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ﴾ يَرِيدُونَ وَقْتُ الْمَوْتِ ﴿لَا سَتَكُنْتَ مِنَ الْخَيْرِ﴾ يَعْنِي: مِنَ الْعَمَلِ الصَّالِحِ، وَقِيلَ: إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ لَمَّا سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ السَّاعَةِ أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى الْآيَةَ الْأُولَى وَهَذِهِ الْآيَةُ، وَمَعْنَاهُ: إِنَّا لَا نَدْعِي عِلْمَ الْغَيْبِ حَتَّى أَخْبَرَ كَرَمَ عَنْ وَقْتُ قِيَامِ السَّاعَةِ، وَذَلِكَ لَمَّا طَلَبُوهُ بِالْإِخْبَارِ عَنِ الْغُيُوبِ فَذَكَرَ أَنَّ قُدْرَتَهُ قَاصِرَةٌ عَنْ عِلْمِ الْغَيْبِ، فَإِنْ قُلْتَ: قَدْ أَخْبَرَ ﷺ

عن المغیبات، وقد جاءت أحادیث فی الصحیح بذلك، وهو من أعظم معجزاته ﷺ، فكیف الجمع بینہ وبين قوله: ﴿ولو كنت أعلم الغیب لاستكثرت من الخير﴾، قلت: یحتمل أن يكون قاله ﷺ على سبیل التواضع والأدب، والمعنى لا أعلم الغیب إلا أن یطلعني الله عليه ویقدره لي، ویحتمل أن يكون قال ذلك قبل أن یطلعه الله عز وجل على الغیب، فلما أطلعه الله عز وجل أخبره كما قال تعالى: ﴿فلا یظهر على غیبه أحدًا إلا من ارتضى من رسول﴾ أو یكون خرج هذا الكلام من خرج الجواب عن سؤالهم، ثم أظهره الله تعالى سبحانه على أشياء من المغیبات فأخبر عنها.

[تفسیر خازن دوم، ص: ۲۶۶]

اگر میں غیب جانتا، مطلب یہ کہ موت کا وقت جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا یعنی عمل صالح۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلی اور یہ آیت اتاری، اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں علم غیب کا مدعی نہیں ہوں کہ تم کو قیامت قیامت کا وقت بتاؤں، ایسا ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے غیب کی خبریں دریافت کیں تو آپ نے فرمایا: کہ میری طاقت غیب کی دریافت سے قاصر ہے، اس پر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضور ﷺ نے تو غیب کی خبر دی اور صحیح میں اس کا بیان بہت حدیثوں میں ہے، اور اخبار بالغیب حضور ﷺ کے عظیم معجزات میں سے ہے، تو آیات اور احادیث میں توفیق اور تطابق کیسے ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ حضور کا اخبار بالغیب برحق ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر نہیں جان سکتا۔ اور یہ بھی تطبیق کی ایک صورت ہے کہ کہا جائے: انکار تب کیا کہ اللہ نے انہیں مطلع نہیں کیا تھا۔ اور جب مطلع کر دیا تو بتا دیا۔ آیت مبارکہ فلا یظهر الا یہ میں بھی تو یہی ہے کہ اللہ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب پر اطلاع دیتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انکار انہیں جواب دے کر خاموش کرنے کے لیے ہو۔ بعد میں خدا نے بتایا تو لوگوں کو خبر دے دی۔

امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ بالا تصریح کے مطابق کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت اور موت کی گھڑی کا حال دریافت کیا۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: میری طاقت غیب کی دریافت سے قاصر ہے، اتنی عبارت کا مطلب وہی ہوا جو رئیس

صاحب کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ موت اور قیامت کا وقت نہیں جانتے۔ لیکن امام خازن اس مقام پر خود ہی نکتہ سوال اٹھاتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم نے بے شمار غیوب کی خبر دی، اور یہ اخبار بالغیب آپ کے عظیم ترین معجزات میں سے ہے۔

پھر اس صاف صاف انکار کا کیا مطلب اور ان بے شمار روایتوں کا کیا جواب؟ اور پھر خود ہی جوابات مرحمت فرماتے ہیں:

پہلا جواب:- بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کو غیوب کی خبر ہے۔ انکار تو اضعاف فرمایا ہے، کہ میرا غیب کی اطلاع دینا تو تعلیم الہی پر موقوف ہے۔

دوسرا جواب:- غیب کے علم کا انکار اس وقت فرمایا گیا جب تک اس کی اطلاع من جانب اللہ نہ تھی، جب اطلاع ہوئی آپ نے لوگوں کو اس کی خبر دی۔

تیسرا جواب:- انکار کافروں کو خاموش کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ حضور علیہ السلام نے حسب اطلاع الہی ضرور غیوب کی خبر دی۔

اس شد و مد کے ساتھ اثبات علم اور انکار کی تاویل کے بعد بھی رئیس صاحب کا امام خازن کو منکرین کی صف میں شمار کرنا، دیانت کے کس خانہ میں آئے گا۔ اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح امام خازن نے بار بار تعلیم الہی اور اطلاع زبانی کی تکرار کر کے رئیس صاحب کی اس ہٹ دھرمی کی بھی قلعی کھولی، جو علم غیب ذاتی اور عطائی کی تفریق پر انہیں چراغ پا بنا دیتی ہے۔

تفسیر جلالین شریف:

تفسیر جلالین شریف عربی میں قرآن عظیم کا لگ بھگ ترجمہ ہے، عموماً محذوفات اور متعلقات کے اظہار اور واجبی تشریح پر وہ اکتفا کرتے ہیں۔ اسی لیے حسب عادت انہوں نے ﴿ان الله عنده علم الساعة﴾ کی تفسیر میں بھی بقدر کفایت ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے، اسی پر رئیس صاحب نے وہ عمارت کھڑی کی ہے، کہ ”ان پانچوں کے علم کی نفی نبی ﷺ کی ذات مبارکہ سے فرض و واجب ہے۔“ حالانکہ جلالین میں اس موقع سے نبی ﷺ کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے، صرف یہ فرمایا ہے: ﴿لا يعلم أحد من الثلاث غير الله﴾ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں جانتا۔

لیکن جلالین کے حاشیہ میں امام صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے آیت مبارکہ کی پوری تشریح بھی ہو جاتی ہے اور منکرین علم غیب رسول اللہ ﷺ کی پوری طرح صفر شکنی بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”قوله: ﴿عنده مفاتيح الغيب﴾ أنه منفرد بعلم الغيب لا يعلمها إلا هو، فلا ينافي أن بعض الأنبياء والأولياء يطلعه الله على بعض المغيبات والحادثة قال تعالى: ﴿عالم الغيب﴾ الآية.“ [حاشیہ صاوی جلد ۲، ص: ۱۷۷]

ارشاد الہی مفاتیح غیب جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ علوم غیب کے ساتھ باری تعالیٰ مستقل بالذات ہے۔ تو یہ آیت اس بات کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی یا ولی کو بعض غیوب پر مطلع کرے۔ کہ آیت مبارکہ ﴿فلا یظہر علی غیبہ﴾ کا مطلب یہی ہے۔

﴿لو كنت أعلم الغيب﴾ الآية، إن قلت: إن هذا يشكل مع تقدم أنه اطلع على جميع مغيبات الدنيا والآخرة. والجواب أنه قال تواضعاً أو أن علمه بالغيب كلا علم حيث إنه لا قدره له على تغيير ما قدر الله“ [تفسیر صاوی جلد ۲، ص: ۹۸]

اگر میں غیب جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا، اگر تم اعتراض کرو کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے تمام غیوب پر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، پھر اس آیت کا کیا مطلب؟ تو میں کہوں گا کہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ نے تواضعاً اپنی ذات سے علم کی نفی فرمائی ہے۔ یا یہ کہ علم الہی کے مقابلہ میں یہ علم نفی کے برابر ہے کہ حضور کو قدرت الہی کے بدلے پر قدرت نہیں۔

”أي من حيث ذاتها. أما باعلام الله العبد فلا مانع منه، كالأنبياء وبعض أوليائه، وقال تعالى: ﴿لا يحيطون بشيء من علمه إلا بما شاء﴾ وقال تعالى: ﴿علم الغيب﴾ الآية. وكذا أولى فلا مانع من كون الله يطلع بعض عباده الصالحين على بعض هذه المغيبات، فتكون معجزة للنبي وكرامة للولي، ولذلك قال العلماء الحق: إنه لم يخرج نبينا من الدنيا حتى اطلعه على تلك

الخمس ولكنه أمر بكتمها۔“ [صاوی ثالث، ص: ۲۱۵]

اللہ تعالیٰ کو ذاتی علم ہے، لیکن اللہ کے بتانے سے بندوں کو بھی غیب کا علم ہونے میں کوئی ممانعت نہیں ہے، جیسے انبیاء، اولیاء، خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ اللہ کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جتنا خدا چاہے۔ اور فرماتا ہے: اللہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض نیک بندوں کو بعض غیوب پر اطلاع بخش دے جو نبی کا معجزہ ہوا اور ولی کی کرامت۔ یہی وجہ ہے کہ علما نے فرمایا: کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہ لے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ”علوم خمسہ“ کی تعلیم دی، ہاں دوسروں سے چھپانے کا البتہ انہیں حکم تھا۔

سبحان اللہ! امام صاوی نے تو آزاد صاحب کی ننھی جان پر قیامت کبریٰ ہی قائم فرمادی۔ نہ صرف یہ کہ انبیاء و اولیاء کے لیے غیب ثابت کیا، سید الانبیاء ﷺ کے لیے تو دنیا و آخرت کے جمیع غیوب کا ثبوت مانا۔ اور بالخصوص ”علوم خمسہ“ ان کے لیے تو یہ تصریح کی کہ جب تک وہ سب معلوم نہ ہوئے رسول اللہ دنیا سے تشریف ہی نہ لے گئے۔ رئیس صاحب سے پوچھنا چاہیے: کیا یہ امام صاوی بھی بریلوی ہی تھے؟

تارو پود پدیری سب تہ وبالا ہوگی

گر یہی بے خبری حضرت والا ہوگی

اس پورے مضمون میں چوں کہ ہمارا انداز ”جواب آن غزل اور ترکی بہ ترکی“ کا رہا ہے۔ اس لیے رئیس صاحب کے کرتب پر زیادہ توجہ رہی، لیکن ناظرین اگر غور اور توجہ سے کام لیں گے تو مسئلہ علم غیب کے تمام پہلوؤں کی بھی پوری وضاحت ہو رہی ہے۔

مثلاً: پہلی بات یہ کھل کر سامنے آگئی کہ تمام علمائے اسلام حضور سید عالم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے مطلقاً علم غیب کے قائل ہیں، کیوں کہ سب نے یک طرفہ یہی تصریح کی ہے کہ تعلیم الہی سے بعض غیوب کا علم انبیاء کو حاصل ہے۔ اور کچھ نے انبیاء کے ساتھ ساتھ اولیاء کے لیے بھی اس کا قول کیا ہے، اور بعض طبیبوں کے لیے بھی انبیاء کے وساطت سے اس علم کے قائل ہیں اور بعض نے سب کو دعویٰ علم غیب کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ علم بواسطہ نبی ﷺ ہو۔

”قاضی بیضاوی“ اور ”امام رازی“ علیہما الرحمۃ والرضوان نے اس موضوع پر زیادہ عقلی انداز اختیار کیا ہے۔ اور مادیل علیہ و مالادیل علیہ دو قسمیں کر کے ہر ایک کے جاننے والوں کی

تفصیل ذکر کی ہے، اور مالادلیل علیہ کو تعلیم الہی سے انبیاء اور اولیاء کے لیے خاص فرمایا ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب عطائی کا دعویٰ افتراء یا نیا مذہب نہیں ہے۔ خالص افتراء اور بدعت ضلالت وہ حرکت ہے جو رئیس صاحب اور ان کے گروپ سے صادر ہوئی، کہ انبیاء علیہم السلام مطلقاً علم غیب نہیں جانتے، اور اس سلسلہ میں جن جن عبارتوں شخصیتوں یا کتابوں کا انہوں نے سہارا لیا ہے، اس میں یا تو سراسر فراڈ کیا ہے۔ یا صرف ایک طرفہ بیان لیا ہے، دوسرے پہلو کو قصداً چھوڑ دیا ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہوئی، کہ بہت سے اعلام امت نے علما کے قول ”بعض علم غیب“ کی وضاحت کی کہ رسول اللہ ﷺ کو جمیع علوم دنیا و آخرت کی تعلیم دی گئی۔ جیسا کہ امام صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان سے گزرا۔ یعنی وہ بعض غیب جس کا ذکر عام مخصوص علما میں ہے۔ اس میں اور علم جمیع غیوب اور ماکان و مایکون میں منافات نہیں، موجودات کے لحاظ سے یہ لاکھ کل اور تمام ہو لیکن علم الہی کے اعتبار سے بعض اور تھوڑا ہی ہے کہ متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں۔

تیسری بات خاص علوم خمسہ کے بارے میں ظاہر ہوئی کہ معتد بہ گروہ علما کا یہ خیال ہے کہ یہ علوم بھی رسول اللہ ﷺ کو ضرور بتائے گئے بلکہ جب تک ان کی تعلیم مکمل نہ ہوئی حضور ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ ہاں علما کا دوسرا گروپ اس طرف بھی گیا ہے کہ خاص قیام قیامت کا علم کسی کو نہیں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات کے لیے خاص فرمایا۔ جیسا کہ اس کی وضاحت مجدد مآثر رابع عشر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے شروع میں ہی کی گئی۔

چوتھا امر یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ و علی آلہ الامجاد کے لیے علم جمیع ماکان و مایکون کا دعویٰ صرف مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا ان کے معتقدوں کی ہی ایجاد نہیں ہے، اس مضمون میں جن جن بزرگوں کے حوالوں سے اس امر کی تصریح گزری وہ سب مولانا احمد رضا خاں صاحب سے پہلے ہی گزر چکے ہیں۔ امام احمد صاوی ان سب میں موخر ہیں۔ پھر بھی ان میں اور مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت میں ۳۱ سال کا فاصلہ ہے، اس طرح امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت سے تیس سال قبل ہی علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے ان

سارے مراحل کی توضیح و تفصیل ہو چکی تھی جن کی ایجاد کا الزام یہ ”نام نہاد موحدین“ امام احمد رضا کے سرعاند کرتے ہیں۔

پانچواں مسئلہ جودن کے اجالے میں آگیا وہ علم غیب کی ذاتی و عطائی تقسیم کا ہے۔ جس بنیاد پر رئیس صاحب نے ہمارے علمائے کرام پر افتر کرنے کا الزام قائم کیا تھا۔ الحمد للہ تعالیٰ علمائے کرام کی تصریحات نے واضح کر دیا کہ اس افتراء پر دازی کے واقعی مرتکب خود رئیس صاحب ہی ہیں۔ گویا:

یہ کیسا امتحان جذب دل الثا نکل آیا
ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ذاتی اور عطائی:

تیسرے مرحلہ میں ان آیات کا شمار آسکتا ہے، جن میں اللہ پاک نے علم غیب کو اپنا خاصہ بتایا ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بھی یہی کہلوا یا ہے، رئیس صاحب نے اس موضوع کی صرف دو آیتوں: ﴿عنده مفاتيح الغيب الآية﴾ (انعام) اور ﴿ان الله عنده علم الساعة. الآية﴾ (لقمان) کا اعادہ کیا ہے، جب کہ اب تک طرفین کی بحث میں نفی کی اور کئی آیتوں کا ذکر آچکا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب حاضر و ناظر میں اس مقام کو شرح و وسط کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اور آیات نفی کے مقابلہ میں ان آیات کا ذکر کیا تھا، جن میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور پھر کتب تفاسیر اور تصریحات علما سے ان دونوں اقسام کی آیات میں متعدد تطبیقیں بیان کی تھیں۔ جن میں سے دو یہاں ذکر کرتے ہیں:

(۱) جہاں آیات میں علم کی نفی کی گئی ہے، وہاں مراد ”علم کلی غیر متناہی ہے“۔ اور جہاں جہاں حضور ﷺ یا دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اثبات ہے، وہاں علم بعض یعنی جمیع ماکان و مایکون مراد ہے۔ وہیں ہم نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ علم بعض اور علم ماکان و مایکون میں کوئی منافات نہیں، دونوں ایک دوسرے پر صادق آتے ہیں۔

(۲) جہاں جہاں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے، ان آیتوں میں ”علم ذاتی“ مراد ہے۔ جہاں جہاں اس کا ثبوت ہے ”علم عطائی“ مراد ہے۔

رئیس صاحب کو ان مباحث علمیہ پر کچھ کہنے کی جرأت تو ہوئی نہیں یک طرفہ نفی کی مذکورہ بالا دو آیتیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:

”کہ عبد المنان نے ذاتی اور عطائی کی تفریق کر کے جھوٹ بولا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جتنی کتابوں کا حوالہ دیا ہے غلط ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے:“

”اگر جھوٹ بکنے کی کوئی سزا ہے، اور یقیناً ہے، تو بلا شک علمائے اسلام پر افترا پردازی کے سبب بریلوی لوگ ضرور ماخوذ ہوں گے۔“

[ابطال ص: ۵۱]

لعنة الله على الكاذبين۔

ہم نے باقاعدہ کتابوں کی عبارتیں لکھی تھیں اور علما کے نام تحریر کیے تھے۔ مگر رئیس صاحب نے ایک غمزہ شادانہ میں سب کو جھوٹ کہہ کر فرصت لی۔ اب اس ہٹ دھرمی کا ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کیا جواب ہے کہ دوبارہ انہیں کتابوں کا مطیع اور صفحہ اور عبارتوں کے ساتھ حوالہ دیں۔ اور رئیس صاحب کے ساتھ ساتھ ان کے پورے طائفے کو چیلنج کرتے ہیں کہ کچھ بھی غیرت و حمیت ہو تو کسی ایک حوالہ کو بھی غلط ثابت کر کے اپنی تحریر کی لاج رکھیں ورنہ اپنے دھرم سے توبہ کریں جو شاید اسی قسم کی دھاندلی اور منہ زوری پر قائم ہے۔

(۱) پہلا نام ہم نے علامہ خفاجی کا لیا تھا ان کی عبارت حاضر ہے:

”(و اتفاق معانيها على الاطلاع على الغيب) أي الأمور الغيبية، وهذا لا ينافي الآيات الدالة على أنه لا يعلم الغيب إلا الله، وقوله: ﴿لو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير﴾ فإن المنتهى علمه من غير واسطة، وأما اطلاعه بإعلام الله تعالى فأمر محقق لقوله تعالى: ﴿فلا يظهر على غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول﴾“

[نسیم الریاض شرح شفاے قاضی عیاض، جلد ثالث ص: ۱۵]

حدیثیں غیب کی اطلاع پر متفق المعنی ہیں، غیب سے مراد امور غیبیہ ہیں اور یہ ان آیتوں کے منافی نہیں ہے جن میں غیر اللہ سے غیب کی نفی کی گئی ہے۔ یا حضور کا ارشاد ہے کہ میں غیب جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا، کیوں کہ جس علم کی نفی ہے وہ بلا واسطہ (ذاتی) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بعد (عطائی) تو ثابت اور محقق ہے کہ خود خدا نے فرمایا: میں اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ

رسولوں کے علاوہ کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

(۲) دوسرا نام حضرت امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا وہ فرماتے ہیں:

”فأما قوله: ﴿لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ ففسر بأنه لا يعلمها أحد بذاته ومن ذاته إلا هو، لكن قد تعلم باعلام الله تعالى فان ثمة من يعلمها، وقد وجدنا ذلك لغير واحد، كما رأينا جماعة علموا متي يموتون، وعلموا ما في الأرحام حال حمل المرأة، بل وقبله.“

[فيض القدير شرح جامع صغير للعلامة عبد الرؤف السنادی باب حرف المیم مخطوطہ خدا بخش خان لاہوری پٹنہ۔ ۳۰۹۸]

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ”غیب خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خود اپنی ذات سے اس کے سوا نہیں جانتا لیکن اللہ کے بتانے سے تو جاننے والے ہیں۔ تحقیق کہ ہم نے اس کو بہت لوگوں کے لیے ثابت پایا۔ ہم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ موت کے وقت سے آگاہ ہے، اور بعض کو حمل کے حالات سے واقف پایا بلکہ حمل سے پہلے بھی اس کا علم ان کو تھا۔ تیسرا نام علامہ شیخ ابن قاضی کا تھا ان کی تحریر یہ ہے:

”تزوجها بلا شهود، وقال: الله ورسوله، أو الله والملك شهود كفر؛ إذ اعتقد أن الرسول أو الملك يعلم الغيب، أقول: فان قيل: يشكك بأنه روي عن النبي ﷺ أنه يوم فتح مكة وفي حفر الخندق أخبر بفتح كسرى وقيصر، فوقع كما أخبر وأمثاله عنه ﷺ كثير لا تنكر، وعن عمر رضي الله عنه أمر يا سارية الجبل مشهور، وكذا عن السلف في كتاب الثقات مذبور. يجاب بأنه يمكن التوفيق بأن المنفي هو العلم بالاستقلال لا العلم بالإعلام أو المنفي هو المجزوم به لا مظنون، ويؤيد ”قوله تعالى: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ فِيهَا﴾ الآية؛ لأنه غيب أخبر به الملائكة ظناً منهم، أو بإعلام الحق فينبغي أن يكون كفوراً لو ادعاه لالو أخبر به بإعلام في نفسه، أو يقضه بنوع من الكشف؛ إذ لا منافاة بينه وبين الآية لما مر من التوفيق والله أعلم.“

[جامع الفصولین جلد ۲، ص: ۲۱۹-۲۲۰، مطبع میری ۱۳۰۰ھ، الامام محمود ابن اسرائیل

الشہیر بابن قاضی مسماۃ کتب خانہ مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ رقم۔ ۱۰۸۲]

عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، اور کہا کہ اللہ اور رسول، یا اللہ اور فرشتے گواہ ہیں تو کفر کیا، اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول یا فرشتے غیب جانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس حکم پر یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ اور خندق کھودتے وقت قیصر و کسریٰ کے مفتوح ہونے کی خبر دی جو من و عن واقع ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی اس قسم کی دوسری پیش گوئیاں بھی بہت ہیں جن کا انکار ممکن نہیں، اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ”یا ساریۃ الجبل“ والا واقعہ بھی مشہور ہے، اسی طرح سلف صالحین سے قابل بھروسہ کتابوں میں بے شمار روایتیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق ممکن کہ جس علم غیب کی نفی ہے وہ علم بالذات ہے، وہ علم نہیں جو کسی کے بتانے اور عطا سے ہو۔ یا یہ جواب ہے کہ جس علم کی نفی ہے وہ علم قطعاً یقینی ہے وہ نہیں جو غالب گمان تک پہنچائے۔ ہمارے اس جواب کی تائید قرآن عظیم کی آیت مبارکہ ﴿اتجعل فیہا من یفسد﴾ سے ہوتی ہے، کیوں کہ اس آیت میں ملائکہ نے ایک غیب کی خبر دی ہے۔ یا تو گمان و قیاس سے یا اللہ تعالیٰ کی تعلیم و عطاء کے بعد۔ پس مناسب یہی ہے کہ کفر جب ہو کہ علم ذاتی کا دعویٰ کرے، اور اگر یہ دعویٰ ہو کہ نیند میں یا بیداری میں بذریعہ کشف بتایا گیا تو کوئی حرج نہیں ہے کہ اس میں کوئی منافات نہیں۔ تطبیق اوپر گزر چکی۔

چوتھا نام علامہ محمد شنوانی کا تھا ان کی تصریح بھی ملاحظہ ہو:

”قولہ: لا یعلم متى تقوم الساعة إلا الله، هذا إشارة إلى علوم الآخرة، فلا یعلم ذلك نبی مرسل ولا ملک مقرب، قال بعض المفسرین: لا یعلم هذه الخمس علم الدنيا ذاتياً بلا واسطة إلا الله، فالعلم بهذا الصفة مما اختص الله به، وأما بالواسطة فلا يختص به تعالى.“

[حاشیہ مختصر البخاری المعروف بحاشیۃ الشنوانی ص: ۲۳۹-۲۴۰، سطر ۲۱ تا ۲۳، المطبوع

المصریہ ۱۲۸۶ھ، موجودہ رضا لائبریری راجپور کتاب، ۸]

اور یہ قول کہ ”لا یعلم متى تقوم الساعة إلا الله“ یہ علوم آخرت کی طرف اشارہ ہے۔ تو اس کو نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے نہ فرشتہ مقرب، بعض مفسرین نے کہا کہ ان علوم خمسہ کو کوئی نہیں جانتا، مطلب یہ ہے کہ علم لدنی ذاتی کے طور پر بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہی ہے،

اور علم بالواسطہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔ (بلکہ یہ تو غیر خدا کے ساتھ ہی خاص ہے) پانچواں نام علامہ نیشاپوری کا تھا، اور ان کی تفسیر سے مندرجہ ذیل عبارت بھی ہم نے نقل کی تھی: ”ای قل لا أعلم الغیب، فیکون فیہ دلالة علی أن الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ۔“

یعنی آپ فرمائیے کہ میں غیب نہیں جانتا، اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال (ذاتی) خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

[نیشاپوری جلد رابع ص: ۱۲۶، مطبع میمنہ مصر]

اسی جلد میں مزید تتبع اور تلاش سے اس موضوع پر ایک دوسری عبارت بھی ملی جو اس سے زیادہ عام اور واضح طور پر علم غیب کے عطائی ہونے کا اعلان کر رہی ہے:

﴿فامنوا باللہ ورسلہ﴾ ومن جملة الإیمان باللہ أن تعتقدوہ وحدہ علاماً للغبوب، ومن جملة الإیمان بالرسول أن تنزلوہم منازلہم أن تعلموہم عبیداً مصطفین لا یعلمون من الغیب إلا ما علمہم اللہ تعالیٰ“
(تفسیر غرائب القرآن، ت ۱۷۹ ۳۱۷/۲)

اللہ ورسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ تم اس کو اکیلا غیب کا جاننے والا اعتقاد کرو، اور رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ انہیں خدا کا برگزیدہ بندہ جانو، اور تسلیم کرو کہ انہیں اسی غیب کا علم ہے جسے اللہ نے انہیں بتایا۔

اللہ تعالیٰ تنہا غیب کا جاننے والا ہے اور رسول خدا کے بتانے سے۔ ذاتی اور عطائی کہ اس سے زیادہ واضح تقسیم اور کیا ہوگی؟۔

امام رازی اور قاضی بیضاوی کی تشریحات گزشتہ بحث میں ہدیہ ناظرین کی جاچکی ہیں، جس کے مطالعہ سے علم غیب کے ذاتی اور عطائی ہونے کا بیان آفتاب کی طرح روشن ہو چکا ہے۔

پھر رئیس صاحب ہمیں اجازت دیں گے کہ وہی الفاظ ہم انہیں واپس کر دیں جو انہوں نے ہمارے بارے میں کہے تھے کہ ”عطاے توبہ لقاے تو“ کی مثل صادق آئے۔ اگر جھوٹ کہنے کی کوئی سزا ہے اور یقیناً ہے تو بلا شک علماے اسلام پر اس افترا پر دازی کے سبب مولوی رئیس

صاحب ضرور ماخوذ ہوں گے۔

الحمد للہ کہ ہم نام بنام علما کے حوالہ جات اور تصحیح نقل سے کما حقہ عہدہ براہو چکے۔ صرف ایک نام باقی ہے جس کے سلسلہ میں رئیس صاحب کی خدمت گزاری ابھی باقی ہے۔ یعنی محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سو وہ بھی حاضر ہے:

بحث یوں چل رہی تھی کہ مولوی عبدالرؤف صاحب جھنڈے نگری نے بخاری شریف سے ﴿مفتاح الغیب﴾ کی تفسیر نقل کی کہ یہ علوم خمسہ ہیں، اور انہیں کا علم سوائے خدا کے پاک کے اور کسی کو نہیں۔

ہم نے اشعة اللمعات سے اس حدیث کی شرح نقل کی کہ نہ جاننے کا مطلب مطلقاً عدم علم نہیں ہے، بلکہ عقلی جدوجہد سے جاننے کی نفی ہے۔ تو تعلیم الہی سے ان امور کا علم بھی غیر خدا کو ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ کی عبارت یہ ہے:

”مراد آں نست کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل کس ایشان را نداند“

[اشعة اللمعات ص: ۴۲]

نہ جاننے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے بتائے بغیر اپنی عقل سے کوئی نہیں جان سکتا۔

اور ملا علی قاری، امام قرطبی، عینی، اور قسطلانی، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالہ سے وہ ٹکڑا نقل کیا جو اس حدیث کی تفسیر میں یوں تحریر ہے کہ ”ان علوم خمسہ میں سے کسی کے علم کی طمع کسی کو نہ ہو، اور جو کوئی رسول اللہ ﷺ کے واسطے کے بغیر ان میں سے کسی علم کا دعویٰ کرے کاذب ہے (تفصیلات اصل کتاب اور اس جدید تحریر میں دیکھی جاسکتی ہیں)۔“

ہمارا حوالہ غلط تھا تو رئیس صاحب کو صاف صاف اس کی تکذیب کرنی چاہیے تھی، کہ ”اشعة اللمعات“ میں یہ عبارت نہیں، ان کو نہیں مل رہی تھی تو ہم سے مدد طلب کرتے ہم پیش کر دیتے۔ لیکن اس صورت میں حق واضح ہوتا، رئیس صاحب کو حق سے غرض نہیں۔ آزادی سے مطلب ہے۔ اس لیے کیا یہ اشعة اللمعات کے مختلف مقامات سے وہ عبارتیں نقل کیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے علم قیامت کی نفی ہے۔ اور اسی پر یہ زور دار بیان قلم بند کر دیا کہ عبدالمنان بلکہ پوری بریلوی برادری مفتری و کذاب ہے۔

اور آخرت کے عذاب میں ماخوذ ہے، کیوں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ علوم خمسہ بلکہ جمیع

غیوب کا علم رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے دینے سے ہے۔ (عطائی ہے) اور شیخ فرماتے ہیں کہ قیامت کا علم اللہ پاک نے کسی کو بتایا ہی نہیں۔

حالاں کہ جب صورت حال یہ ہے کہ یہ دونوں ہی بیان شیخ کے ہیں، تو ہم پر الزام قائم کرنے اور شیخ کے موخر الذکر بیان سے استدلال قائم کرنے کے بجائے یہ کہنا چاہیے تھا کہ شیخ کے بیان میں تدافع ہے۔ اس لیے ان کا کوئی بیان قابل استدلال اور لائق اعتماد نہیں کہ: اذا تعارضوا تساقطا۔

لیکن رئیس صاحب نے سیدھا راستہ چھوڑ کر الزام تراشی کی جس کی پوری قلعی ہم کھول چکے ہیں۔ اب چند جملے حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بیان سے استدلال کرنے کے سلسلہ میں بھی عرض ہیں:

(۱) دعویٰ رئیس صاب کا یہ ہے کہ ”آپ کو علم غیب عطا نہیں کیا گیا“ دلیل میں حضرت شیخ کی جو عبارت پیش کی ہے، اس میں صرف علم قیامت کی نفی ہے، پس شیخ کی اس عبارت سے آپ کا دعویٰ کیسے ثابت ہوا۔ کیا اپنے ربی مولوی عبدالرؤف صاحب کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئے کہ ”دعویٰ عام ہو تو خاص دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رئیس صاحب کو اپنی کمزوری کا احساس تھا۔ اسی لیے شیخ کی عبارت میں اپنی طرف سے بشمول علوم خمسہ کا پیوند بھی لگایا ہے۔

(۲) آپ نے شیخ کی جس عبارت سے قیامت کے علم عطائی کی نفی پر استدلال کیا ہے، وہ اس عبارت کے بعد ہے جو ہم نے ص: ۴۲، کے حوالہ سے پیش کی ہے اور جس کو آپ نے چپ رہ کر تسلیم کیا ہے۔ اس لیے آپ کا یہ استدلال غلط جیسا کہ ہم نے اوپر کہا کہ: اذا تعارضوا تساقطا چلیے شیخ سے آپ استدلال کیجیے نہ ہم۔ شیخ کے علاوہ ائمہ کے جو لصوص ہم نے پیش کیے ہیں، اس کا دام چکائیے۔

(۳) ہم گذشتہ اصحاٹ میں وضاحت کے ساتھ تحریر کر آئے ہیں کہ: خود علمائے اہل سنت میں قیامت کے وقت کے علم کے بارے میں دونوں قول ہیں۔

(۱) اللہ پاک نے وقت قیامت کا علم کسی کو نہیں بتایا۔ بقیہ علوم خمسہ کا علم عطا فرمایا۔

(۲) دیگر علوم خمسہ کے ساتھ ساتھ قیامت کا علم بھی آپ کو عطا کیا گیا۔

پس کیا یہ ممکن بلکہ عین صواب نہیں کہ شیخ محقق بھی انہیں علما میں سے ہوں جو دیگر علوم خمسہ کا علم تو رسول کو مانتے ہیں، اس کو انہوں نے ص: ۴۲ والی عبارت میں بیان کیا۔ اور خاص قیامت کا علم نہیں، اس کو بعد والی عبارتوں میں واضح فرمایا۔ اس طرح شیخ کی عبارت کا ظاہری تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے۔ اور ذاتی اور عطائی کی تفریق بھی خوب سمجھ میں آ جاتی ہے۔

الغرض قصور نہ ہمارا ہے نہ شیخ کا نہ علمائے اسلام کا۔ اصل قصور مولوی رئیس احمد صاحب کی کجی اور ناچستہ علم کا ہے۔ جس نے انہیں ہر میدان میں ٹھوکر کھانے پر مجبور کیا ہے۔ ورنہ علم غیب کے ذاتی اور عطائی ہونے کا مسئلہ طبقہ علما میں کوئی نزاعی مسئلہ ہے ہی نہیں۔

حضور مخبر صادق ﷺ کے خادم خاص نے فرمایا: ”اللھم أعوذ بک من رأس الستین وأمارات الصبیان۔“ یا اللہ میں ۶۰ ہا اور لوٹوں کی سربراہی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

گایا ہوا گیت:

اس قسم کے اختلافی مسائل بہت دنوں سے رد و قدح اور بحث و نظر کا موضوع بنے ہوئے ہیں اور طرفین سے بے شمار انسانوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے، جس کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حضرات وہابیہ (چاہے دیوبندیہ ہوں چاہے غیر مقلدین) ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شبہات جن کا بار بار ازالہ کیا جا چکا ہے جب کہیں بحث ہوتی ہے تو بے کسی شرمساری اور جھجک کے از سر نو پھر انہیں شبہات کو بڑے طعنا و طعنا سے پیش کرتے ہیں۔ جیسے یہ کوئی مبتکر خیال ہو۔

ہمارے مہربان جناب رئیس صاحب نے بھی علوم خمسہ کی بحث میں جو آیتیں پیش کی ہیں اور ان پر جو کچھ کہا ہے ان میں بیشتر کی حیثیت ”گائے ہوئے گیت“ کے سوا کچھ نہیں، جو باتیں علما اہل سنت نے بار بار صاف کر دی ہیں وہ اپنی دھن میں گن انہیں کے اعادہ در اعادہ میں مصروف ہیں۔ گویا:

ہم کہے جائیں گے حال دل مضطر اپنا اس سے مطلب نہیں احباب سنیں یا نہ سنیں

چنانچہ رئیس صاحب نے چھ آیتوں کو نفی علم غیب کی دلیل اور تردید حاضر و ناظر کا

ثبوت بنا کر پیش کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ [یس: ۳۶-ت ۶۹]
 ہم نے رسول اللہ ﷺ کو شعر نہیں سکھایا اور یہ آپ کے مناسب بھی نہیں۔
 لہذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ شعر اور ہر وہ علم نہیں جانتے جو آپ کے شایان شان نہیں، جیسے سحر و کھانت و سیما وغیرہ۔

(۲) ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ﴾

[النساء: ۴-ت ۱۶۴]

بہت سے گزشتہ رسولوں کا بیان ہم نے آپ پر کیا اور بہت سے رسولوں کا قصہ آپ سے بیان نہ کیا۔

قرآن میں صرف معدود نبیوں کا قصہ بیان ہے، تو یہ بات قطعی طور پر معلوم ہوگئی کہ ہزاروں نبیوں کے حالات آپ کو نہیں بتائے گئے۔

(۳) ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم﴾ [السجدة: ۳۲-ت ۱۷۷]

کوئی جان نہیں جانتی جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپائی گئی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے آرام و آسائش کے جو سامان و نعمتیں جنت میں چھپا رکھی ہیں ان کا علم کسی کو نہیں، تو یہ بھی رسول اللہ کے معلومات سے خارج ہوئیں۔

(۴) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ

[بنی اسرائیل: ۷۳-ت ۸۵]

الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾
 لوگ آپ سے روح کے متعلق ہو چھتے ہیں آپ کہہ دیجئے وہ میرے رب کے حکم سے ہے اور جو کچھ تمہیں علم دیا گیا ہے تھوڑا ہے۔

تو روح کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اور کوئی حتیٰ کہ رسول اللہ بھی نہیں جانتے۔

(۵) ﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ

[ابراہیم: ۱۲-ت ۹]

بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ﴾

کیا تم لوگوں کے پاس ان لوگوں کی کوئی خبر نہ آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، قوم نوح و عاد و ثمود ان تینوں قوموں کے بعد ایسی قومیں ہوئیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

(۶) ﴿إِذْ يُرِيكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَاسْتَلَمْتَ﴾

[الأنفال: ص ۸-ت ۴۳]

یعنی جنگ بدر کے موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو خواب میں کفار کی تعداد کم کر کے دکھائی۔

اس آیت میں بھی آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہے کہ کفار کی تعداد آپ کو کم کر کے دکھائی۔

ان شبہات کا جواب دیا چکا ہے:

اب ہم مذکورہ بالا شبہات کی تاریخ بیان کرتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اول الذکر تین شبہات کو اپنی شہرہ

آفاق کتاب ”الدولة المکیة“ کے حاشیہ میں ان الفاظ میں نقل کیا۔ اور جواب دیا:

”وهنا شبه أخرى لوهاية الهند وبعض العنود.“

ہندوستانی وہابیوں اور بعض معاندین کے کچھ دوسرے شبہات بھی ہیں۔

چنانچہ اول الذکر شبہ کے جواب میں فرماتے ہیں:

”اولا يعقل من له عقل، أن المراد الملكة، أي: ما قدرناه أن ينشي

شعراً، وعليه يدل حديث أبي داؤد والطبراني والبيهقي عن ابن عمرو بن

العاص رضي الله تعالى عنهما سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما أبالي ما أوتيت

أن أنا شربت ترياقاً، أو تعلقتم تميمه، أو قلت شعراً من قبل نفسي.“

کیا جس کے پاس عقل ہے وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ آیت میں علم سے مراد ”ملکہ“ ہے،

یعنی ہم نے حضور ﷺ کو شعر بنانے پر قدرت نہ دی (یہ مطلب نہیں کہ حضور شعر جانتے بھی

نہیں) اور اس مضمون پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے ابو داؤد، طبرانی اور بیہقی نے عبد اللہ ابن

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ میں (حق ناحق) کسی چیز کی پروہ نہیں کروں

گا۔ اگر میں نے ترياق پیا یا گند الکا پیا اپنی طرف سے شعر بنایا۔

مطلب یہ ہوا کہ آیت نمبر ۱ میں رسول اللہ ﷺ کے شعر جاننے کی نفی نہیں ہے شعر

بنانے کی نفی ہے۔

دوسری آیت سے پیدا کیے جانے والے شبہ کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:
 ”وقوله تعالى: ﴿رسلنا لم نقصصهم عليك﴾ فهل قال: ولا نقص
 أبداً.“

اللہ تعالیٰ نے یہی تو فرمایا کہ بہت سے رسولوں کا اب تک آپ سے بیان نہیں کیا، یوں
 تو نہ کہا کہ آئندہ بھی کبھی بیان نہیں کریں گے۔

مطلب یہ کہ گزشتہ زمانہ میں بیان نہ کرنے کا تذکرہ ہے، لیکن جب آئندہ اس نے
 اپنے رسول کو ان رسولوں کا بیان بتا دیا تو اب اس آیت سے عدم علم پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔
 تیسری آیت سے پیدا کیے جانے والے شبہ کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

”نعلم النفسي في الحال، ولا دلالة على نفيه في الاستقبال، وبكفي
 لصدق ما أخفى جمال الله الذي يتجلى لهم.“

اس آیت میں بھی فی الحال علم جنت کی نفی کا ذکر ہے، آئندہ کی نفی پر کوئی دلالت
 نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں صرف اس نعمت کے علم کی نفی ہے جو چھپا کر رکھی گئی
 ہے، ان انعامات جنت کی تو نہیں جن کا بیان صاف صاف ہوا اور چھپی ہوئی نعمت دیدار الہی
 ہے۔

اہل سنت و جماعت کے دوسرے بڑے عالم حضرت مولانا نعیم الدین صاحب
 مراد آبادی (استاذ العلماء) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ”الکلمۃ العلیا“ میں پہلے اور
 دوسرے اور چوتھے شبہ کا جواب دیا۔

چنانچہ شبہ اولیٰ کو حافظ ”واحد نور“ رامپوری کی طرف منسوب کیا اور انہیں کے الفاظ
 میں اس طرح بیان کیا:

”بھلا جو علم کہ سراسر برے ہیں، ان کی قباحت و برائی شرع شریف میں ثابت ہے،
 جیسے علم سحر، کہانت اور طلسم کے ساتھ آں حضرت ﷺ کیوں کر متصف ہو سکتے ہیں۔“

حضرت مولانا نے جواب میں ایک طویل بحث فرمائی ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی
 ہے۔ جس کا خلاصہ تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ کہ آیت مبارکہ میں علم شرعی نفی نہیں ہے۔ بلکہ شعر
 گوئی کی نفی ہے۔

جس طرح لوگ کہتے ہیں کہ میں روٹی پکانا نہیں جانتا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ روٹی کس طرح پکتی ہے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ روٹی پکانے کی اسکیم تو معلوم ہے، لیکن مجھے روٹی پکانے کی پرکٹس نہیں ہے، اسی طرح آیت مبارکہ میں علم شعر کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ شاعری اور پرکٹس کی نفی ہے۔

دوسری آیت سے پیدا کیے جانے والے شبہ کے جواب میں حضرت مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا: آیت شریفہ کی مراد یہ ہے کہ ہم نے بواسطہ وحی جلی کے قصد نہیں کیا، یہ علم نہ ہونے کی دلیل نہیں، کیوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے بواسطہ وحی خفی کے اس پر مطلع کیا۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکاۃ میں فرماتے ہیں:

”وَعَنِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ وَفَاءَ عِلَّةِ الْأَنْبِيَاءِ؟ قَالَ: مِئَةُ أَلْفٍ وَأَرْبَعَةُ عَشْرُونَ أَلْفًا. الرِّسْلُ مِنْ ذَلِكَ ثَلَاثَةُ مِائَةٍ وَخَمْسَةِ عَشَرَ جَمًّا غَفِيرًا. هَذَا لَا يَنَافِي قَوْلَهُ تَعَالَى: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رِسَالًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصِصْ عَلَيْكَ﴾؛ لِأَنَّ الْمُنْفِي هُوَ التَّفْصِيلُ، وَالثَّابِتُ هُوَ الْإِجْمَالُ، أَوِ النَّفْيُ مُقِيدٌ بِالْوَحْيِ الْجَلِيِّ، وَالثَّبُوتُ مُتَحَقِّقٌ بِالْوَحْيِ الْخَفِيِّ.“ [مرقاۃ المفاتیح، شرح حدیث جبرئیل: جلد اول ص: ۵۸]

حضرت امام احمد نے ابی امامہ سے روایت کی حضرت ابو ذر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انبیاء کی تعداد کتنی ہے، آپ نے فرمایا: ایک لاکھ ۲۴ ہزار جن میں تین سو پندرہ رسول ہیں، یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ یہ حدیث قرآن عظیم کی آیت من لم نقصص کے معارض نہیں ہے، اس لیے کہ آیت میں تفصیلی بیان کی نفی ہے، اجمالی بیان کی نفی نہیں ہے۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ وحی جلی کے لیے بیان نہیں کیا، مگر وحی خفی کے ذریعہ تمام رسولوں کا بیان ثابت اور متحقق ہے۔

چوتھے شبہ کے بارے میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! جانب مخالف کس درجہ عقیل ہیں، بھلا یہ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو روح کا علم نہیں تھا۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

”وَلَا تَظُنُّ أَنْ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ مَكْشُوفًا لَهُ ﷺ؛ لِأَنَّ مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الرُّوحَ فَإِنَّهُ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ، فَكَيْفَ يَعْرِفُ اللَّهَ سُبْحَانَهُ، وَلَا يَبْعَدُ أَنْ يَكُونَ

مکشوفاً لبعض الأولیاء والعلماء۔“

یہ گمان مت کرو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو بھی معلوم نہ تھا، بھلا جو روح کو نہ جانے وہ اپنے نفس کو کیا پہچانے گا۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے ہوگی۔ بعض اولیا اور علما کو بھی اس کا معلوم ہونا خلاف قیاس نہیں۔

پانچویں آیت جس میں یہ ہے کہ قوم نوح و عاد و ثمود کے بعد ایسی قومیں گزریں جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، اسی طرح کی دوسری آیتیں جن میں یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے لشکر (فرشتوں) کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا“ یا یہ آیت کہ آسمان و زمین کے غیب کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ان سب کا جواب شروع سے ہی علمائے اسلام یہ دیتے رہے ہیں۔ ان آیات میں علم ذاتی کی نفی ہے، علم عطائی کی نہیں، کیوں کہ ان تین قوموں کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قومیں وجود میں آئیں جن کا ذکر قرآن عظیم میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ پس یہ کون کہہ سکتا ہے کہ خداے پاک بتانا چاہے تب بھی اس کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا، اور جب اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا: ﴿وَعَلَّمَ مَالِکَ مَالِکَ تَعْلَمَ﴾ آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے ہم نے آپ کو سب بتایا۔ ﴿فَلَا یَظْهَرُ عَلٰی غَیْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَن ارْتَضٰی مِنْ رَّسُولٍ﴾ اپنے غیب پر اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے مطلع کرتا ہے تو ہم کو انکار کی کیا گنجائش؟

چھٹی آیت میں ایک خاص جزئی واقعہ کا بیان ہے، جو ہمارے دعویٰ غیب کے ہر گز منافی نہیں کہ ہم تدریجاً کے قائل ہیں، جزئیات سے استدلال اجمالی جواب خود ہم نے الشاہد میں اور دیگر تمام علمائے امت اپنی تصانیف میں برابر دیتے چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے یہ چہ نمبر بلاشبہ ”گائے ہوئے گیت“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علم شعر:

چاہیے تو یہ تھا کہ رئیس صاحب ان مباحث کے سلسلہ میں بات کو کچھ آگے بڑھاتے، مثلاً شعر میں ہی وہ یا تو یہ ثابت کرتے کہ آیت ”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ“ میں لفظ علم سے مراد دانستن ہے بلکہ نہیں ہے۔ یا یہ ثابت کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کو شعر کا علم دانستن کے معنی میں بھی نہیں ہے لیکن کیا تو یہ:

”کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ”ما أنا بشاعر“ میں شاعر نہیں ہوں، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ وہ شخص کافر ہے جو آپ کو شعر کا واقف کار کہے۔“

اس سے بڑی سادہ لوحی اور کیا ہوگی کہ دعویٰ تو ہے اس بات کا کہ آں حضرت ﷺ شعر نہیں جانتے اور دلیل دے رہے ہیں کہ شعر نہیں کہتے، بھلا جو سخن فہمی اور سخن سنجی کے فرق کو نہیں سمجھ پاتے اسے تصنیف کی کیا ضرورت ہے؟۔

اول اندیش و آں گہے گفتار
پاے پیش آمدست دیوار
اور یہ بھی آپ کی سخن فہمی ہی ہے کہ آپ نے قاضی خاں کا فتویٰ نقل کر دیا اور ان کی عبارت کا مطلب تک نہیں سمجھے، ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور کو شاعر کہنا ان کی توہین اور جو آپ کی توہین کرے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

رئیس صاحب کی یہ بے خبری بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ جوش تحریر میں اپنے خصم کی دلیل نقل کر گئے، چنانچہ ابو داؤد کے حوالہ سے ایک ایسی حدیث نقل کی جس میں صاف صاف ملکہ شعر گوئی کی نفی ہے، ارشاد نبوی ہے: ”میں اپنی طرف سے شعر کہنے کی استطاعت نہیں رکھتا“ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ ملکہ کا دوسرا نام استطاعت ہے، اور ہم بار بار یہی کہہ رہے ہیں کہ قرآن عظیم کی اس آیت میں آپ کے شعر جاننے کی نفی نہیں۔ شعر گوئی اور ملکہ کی نفی ہے۔
رہ گیا اشعار کا علم تو آپ نے اشعار اور شعرا پر بحل تنقیدیں اور تبصرے فرمائے ہیں، اشعار کی برجستہ اصلاح فرمائی ہے۔ کلام موزوں و منثور کا فرق بتایا ہے، اور یہ امور علم شعر کے بغیر ناممکن ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ جاہلی شاعر امرؤ القیس کے بارے میں آپ نے فرمایا:

((امرؤ القیس صاحب لواء الشعراء الى النار))

(مسند احمد: ۲/۲۲۸)

شعراء عرب میں سب سے بڑا اور جہنم کی طرف ان کا جھنڈا لے کر چلنے والا امرؤ القیس شاعر ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ آج تک امرؤ القیس پر اس سے زیادہ صحیح تبصرہ ہو ہی نہیں سکا۔
کسی نے مولانا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ کفار قریش کی بھجوں کیوں نہیں کرتے،

انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ اجازت دیں تب، لوگوں نے آپ سے عرض کی، آپ نے فرمایا:

”ان علیاً لیس عندہ ما یراد فی ذلک، ثم قال: ما یمنع القوم الذین نصرُوا رسولاً الیہ بسلحہم أن ینصروہ بالسنتہم، فقال حسان: أنا لہا۔“

علی کے پاس وہ نہیں ہے جو ان سے چاہا جا رہا ہے، اس کے بعد آپ نے قوم انصار کو خطاب کر کے فرمایا: جن لوگوں نے رسول خدا کی مدد اپنی تلواروں سے کی وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد کیوں نہیں کرتے تب حضرت حسان ابن ثابت نے کہا میں یہ کروں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدح و قدح کے مختلف مدارج کا علم تھا اور یہ بھی جانتے تھے کہ کس شاعر میں کس چیز کی کتنی صلاحیت ہے۔

ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ہجو کا فرق بتاتے ہوئے فرمایا:

اور نظم و نثر دونوں کے بارے میں آپ نے فرمایا:

”إن من الشعر لحکمة وإن من البیان لسحرا۔“ (حلیۃ الاولیاء: ۷/۲۶۹)

بہت سے اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں اور کتنے بیان بھی جادو کی تاثیر رکھتے ہیں۔ پوری دنیا کے شعر و ادب پر اس سے زیادہ جامع اور تعمیری تبصرہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت کعب ابن زبیر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا جس کا ایک مصرع تھا: ”وسیف من سیوف الہند مسلول“ آپ نے بر محل تصحیح فرمائی ”وسیف من سیوف اللہ مسلول“ شعر سے ذوق رکھنے والا ہر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ ایک لفظ کے اس رد و بدل نے اس مصرع کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔

ان شہادتوں کی موجودگی میں کس ذی شعور آدمی کا یہ حوصلہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سخن فہمی اور علم شعر سے انکار کر سکے، آپ کو تنقیدی بصیرتوں سے بے بہرہ قرار دے؟ لاریب کہ حضور نبی کریم ﷺ کو ان امور میں کمال حاصل تھا۔ رہ گئی سخن سنجی اور شعر گوئی تو بلاشبہ آپ اس سے پاک تھے۔

آیت کی ایک دوسری تفسیر:

امام جلال الدین محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرح نقل فرمائی:

﴿وما علمناه﴾ النبی ﴿الشعر﴾ رد لقولهم إن ما أتى به من القرآن شعر، وما ينبغي يسهل له الشعر، ﴿إن هو﴾ ليس الذي أتى به ﴿إلا ذكر﴾ عظة ﴿وقرآن مبين﴾ [جلالین نصف اخیر ص: ۳۲]

ہم نے پیغمبر ﷺ کو شعر نہیں سکھایا، یہ آیت کافروں کے اس قول کا رد ہے کہ محمد ﷺ جو قرآن لائے ہیں وہ تو شعر ہے، شعر بنانا آپ کے لیے آسان نہیں، یہ قرآن تو وعظ اور کھلا ہوا بیان ہے۔

”حينئذ نصير المعنى ليس القرآن بشعر.“ [صادی ج: ۳، ص: ۳۳]
اس تفسیر کی روشنی میں قرآن کی آیت: ﴿وما علمناه الشعر﴾ کے معنی ہوئے کہ قرآن شعر نہیں۔

اس تفسیر کی روشنی میں ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے کہ آیت مبارکہ قرآن کے شعر ہونے کا انکار کر رہی ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے علم شعر جاننے کا۔ مگر رئیس صاحب تو رئیس صاحب ہیں انہیں کسی کی کیا پرواہ۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
گزشتہ رسولوں کا علم:

رئیس صاحب کو آیت نمبر ۲ کے سلسلہ میں اگر کچھ بات بڑھانی تھی تو یہ ثابت کرتے کہ آیت شریفہ ﴿وسلا لم نقصصهم عليك﴾ کے نزول کے بعد دیگر رسولوں کا بیان نہ تو وحی جلی کے ذریعہ اتر نہ تو وحی خفی کے ذریعہ جیسا کہ ان کے خصم کا کہنا ہے۔ لیکن کیا تو وہ کیا جس سے ان کی نیک نیتی کا بھرم کھل گیا اور ان کی عربی دانی کا بھی۔

نیت کی صفائی کا مسئلہ تو یہ ہے کہ انہوں نے مشاکاة کی شرح مرقات جلد اول ص: ۵۰، خازن جلد اول ص: ۵۱۹، و جلد سادس ص: ۸۶، مع معالم، تفسیر کبیر جلد ۷، ص: ۲۳۰، سراج منیر جلد ۳، ص: ۴۹۸ کا حوالہ دیا اور یہ لکھا کہ:

”ان میں متفقہ طور پر یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بہت سے رسولوں کا تعارف نہیں کرایا گیا، نہ ان کے حالات بتائے گئے، بلکہ بہتوں کا نام تک نہ بتایا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ

اگر کل انبیاء کی تعداد آپ کو اجمالی طور پر بتا دی گئی، مگر ان کے اسماء اور حالات نہ بتائے گئے تھے اور آخر میں نتیجہ یہ نکالا۔“

یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی کہ ہزاروں نبیوں کے حالات آپ کو نہیں بتائے گئے۔
[ابطال ص: ۵۵]

رئیس صاحب نے اپنی اس عبارت میں تین باتیں کہیں:
(۱) بہت سے رسولوں کے تفصیلی حالات آپ کو نہیں بتائے گئے اگرچہ سب کی تعداد بتا دی گئی۔

(۲) یہ بات مذکورہ بالا محدثین اور مفسرین نے متفقہ طور پر کہی ہے۔

(۳) نہ صرف چند مفسرین و محدثین نے کہا بلکہ یہ بات قطعی (یقینی) ہے۔

سوال یہ ہے کہ کسی بات کے قطعی اور یقینی ہونے کیلئے خبر متواتر کی ضرورت ہوتی ہے، اور رئیس صاحب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں خبر متواتر تو کیا لاتے صحاح ستہ کی بھی کوئی حدیث پیش نہ کر سکے، صرف تفسیری اور کمتر درجے کی کتب احادیث کا حوالہ دیا وہ بھی صرف صفحہ نمبر کا۔ کیا انہیں روایتوں سے قطعیت ثابت ہوتی ہے؟ ہم مولوی رئیس احمد صاحب کے پورے مطالعے کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ چیلنج سنا چکے ہیں۔ تھوڑی ترمیم کے ساتھ دہراتے ہیں:
”تمام نجد یہ دہلوی و گنگوہی جنگلی و کوہی، سب کو دعوت عام ہے۔ اجمعوا اشرکائکم چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر یہ ثابت ہو کہ تمام نزول قرآن کے بعد کسی رسول کا حال حضور ﷺ پر مخفی رہا۔“

[انباء المصطفیٰ]

اور محدثین و مفسرین کے متفقہ طور پر کہنے کا حال یہ ہے کہ انہیں محدثین میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جن کی مرقات ص: ۵۸ حوالہ ہے، عبارت رئیس صاحب نے نقل نہیں کی ہم پیش کرتے ہیں:

”و عن الامام أحمد عن أبي أمامة قال ابو ذر: يا رسول الله! كم وفاء
علة الأنبياء، قال: مائة ألف وأربعة عشرون ألفاً. الرسل من ذلك ثلاث مائة
وخمسة عشر جمعا غفيرا. وهذا لا ينافي قوله تعالى: ﴿لقد أرسلنا رسلا من

قبلک منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک ﴿۱﴾؛ لأن المنفی هو التفصیل والثالث هو الاجمال، أو النفی مقید بالوحي الجلی والشبوت متحقق بالوحي الخفی۔“ (مرقاۃ المفاتیح: حدیث جبریل، ۱/۵۸)

حضرت امام احمد حضرت ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ انبیاء علیہم السلام کی پوری تعداد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار جن میں رسول تین سو پندرہ ہیں، بڑی تعداد ہے، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس سورہ مومن کی آیت میں کوئی تعارض نہیں، اس حدیث میں اجمالی بیان ہے، اور آیت میں تفصیل کی نفی ہے، یا یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ جہاں بیان نفی ہے وہاں وحی جلی کے ذریعہ اور جہاں بیان ہے وہاں خفی کے واسطے سے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو وجہیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) وحی کو عام رکھا جائے، جو جلی اور خفی دونوں کو شامل ہو تو بیان میں تاویل کرنی ہوگی۔ کہ جہاں بیان ہے وہاں اجمالی اور جہاں نفی ہے وہاں بیان تفصیلی مراد ہے۔

(۲) بیان کو عام رکھا جائے جو اجمالی اور تفصیلی دونوں کو شامل ہو تو وحی میں تاویل کرنی ہوگی، جہاں بیان ہے وہاں وحی خفی مراد لی جائے اور جہاں نفی ہے وہاں وحی جلی مراد لی جائے۔
تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ قرآن عظیم کی آیت مبارکہ کہ ﴿رسلاً لم نقصصہم﴾ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ:

(۱) کچھ رسولوں کی تفصیل آپ کو بتائی نہیں گئی۔ نہ قرآن کے ذریعہ نہ دیگر ذرائع سے، البتہ اجمال بتایا گیا اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ:

(۲) بہت رسولوں کی تفصیل قرآن کے ذریعہ نہیں بتائی گئی، لیکن دوسرے ذرائع سے ضرور بتائی گئی۔ (قرآن کو وحی جلی یا وحی متلو کہتے ہیں اور دیگر ذرائع کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہتے ہیں)۔

لیکن رئیس صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ ملا علی قاری نے صرف یہ فرمایا کہ آپ کو بہت سے رسولوں کے تفصیلی حالات معلوم کرائے ہی نہیں گئے۔ رئیس صاحب کی یہ حرکت دیانت داری کے کس خانہ میں آتی ہے، اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

شاید اسی لیے صفحہ نمبر کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا کہ پوری عبارت نقل کر دیں گے، تو جس بات کو محولہ مفسرین اور محدثین کا متفقہ بیان کہا ہے اس کا بھرم کھل جائے گا۔

غالب نے کہا:

بھرم کھل جائے ظالم تیری قیامت کی درازی کا
ہمیں افسوس ہے کہ رئیس صاحب کی دراز قیامت دیانت داری کا بھرم کھولنے کے لیے ہم کو ان کی تحریر کی زلفوں کے پیچ کھولنے پڑے۔

دوسرے دو شاہد عدل امام خازن اور امام بغوی کو قرار دیا تھا، ان دونوں بزرگوں کی عبارتیں بھی ہم نقل کرتے ہیں اور فیصلہ ناظرین پر ہی چھوڑتے ہیں:

”قوله: ﴿ورسلا قد قصصنا هم عليك من قبل﴾ لما نزلت هذه الآية المتقدمة قالت اليهود: وما لموسى لم يذكر، فأنزل الله هذه الآية، ففيها ذكر موسى عليه السلام، والمعنى وأوحينا إلى رسل قد قصصنا هم عليك من قبل، يعني سمينا هم في القرآن وعرفناك أخبارهم، وإلى من يعثوا وما ورد عليهم من قومهم ﴿ورسلا لم نقصصهم عليك﴾ أي: لم نسهم لك ولم نعرفك أخبارهم، قال أهل المعاني: الذين نوه الله بذكرهم من الأنبياء يدل على تفضيلهم على من لم يذكر ولم يسم.“ (تفسير خازن: النساء: ۱۶۳-۱۶۴/۱)

بہت سے رسولوں کا ہم نے اس سے پہلے بیان کیا، جب اس سے پہلے والی آیت اتری تو یہود بولے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں ہے، تو یہ آیت اتری جس میں خدا نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا، آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے بہت سے رسولوں پر وحی کی اس آیت سے قبل ہم نے قرآن میں ہی ان کا نام ذکر کیا اور حالات بیان کیے، کس قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور قوم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا سب بیان کیا اور بہت سے رسولوں کا نہ نام لیا نہ آپ سے ان کے حالات بیان کیے۔

اہل معانی کہتے ہیں: قرآن میں کچھ پیغمبروں کے ذکر کا اہتمام ان کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے ایسے انبیاء پر جن کا ذکر نہ ہوا۔

”قوله تعالى: ﴿ورسلا قد قصصنا﴾ أي: كما أوحينا إلى نوح وإلى

الرسول، ﴿رسلاً﴾ نصب بنزع حرف الصفة، وقيل: معناه وقصصنا عليك رسلاً، وفي قرأۃ أبي (ورسل قد قصصنا هم عليك من قبل) ﴿ورسلاً لم نقصص هم عليك﴾ (تفسير بغوی: سورة النساء: ت: ۱۶۳/۱۰۹۹) اللہ تعالیٰ کا فرمان اور بہت سے رسول جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، یعنی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام اور دوسرے رسول کی طرف وحی کی، رسلاً، یہاں زبر حرف صفة (ک) کے حذف کر دینے سے ہے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ رسلاً قصصنا کا مفعول ہے، اور حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں رسل کو زیر ہے۔ الآية۔

﴿ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك﴾ أي: ولم نذكر لك حال الباقيين منهم وليس منهم أحداً إلا أعطاه الله تعالى آيات ومعجزات. “ (تفسير خازن: سورة غافر ۷۸/۳۰) تحقیق کہ ہم نے اس سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جن میں بعض کا ذکر آپ سے بیان کیا اور بہتوں کا تذکرہ آپ پر نہ اتارا، یعنی باقی رسولوں کا حال آپ سے ذکر نہ کیا۔ اور ان میں سبھی کو اللہ نے آیات اور معجزات دیے۔

﴿ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك﴾ خبر ہم فی القرآن. “ (معالم التنزيل: سورة غافر ۷۸/۳۰) اور تحقیق کہ بہت سے رسولوں کو آپ سے پہلے بھیجا ان میں سے بہتوں کا واقعہ ان پر قرآن میں بیان کیا۔

ہم نے دونوں آیتوں کی پوری تفصیل دونوں تفسیروں سے نقل کر دی تاکہ کسی کو نقل عبارت میں کسی کوتاہی کا کوئی شبہ نہ ہو، ہر چہ عبارت میں اجمال و تفصیل کا کوئی اشارہ تک نہیں، البتہ اس بات کی تصریح ہے کہ بہتوں کا نام اور ذکر قرآن میں نہیں اور بہتوں کا ہے۔ لفظ قرآن کی تخصیص اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ وحی قرآنی کہ علاوہ دیگر ذرائع سے علم و اطلاع ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، تو یہ تو وہی ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بات ہوئی جس کو اوپر ہم نے نمبر سے بیان کیا ہے اور اس کو اجمال و تفصیل سے کیا تعلق؟۔

پس رئیس صاحب کا ان دونوں بزرگوں کو اجمال و تفصیل کے متفقہ گواہوں میں شمار کرنا

رئیس صاحب کی دیانت داری نمبر ۲ ہوئی افسوس ہے

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی اے بتو ایمان داری اٹھ گئی

رئیس صاحب کے متفقہ گواہوں میں ایک حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، لیکن انہوں نے ﴿رسلاً لم نقصص﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے دس حدیثیں ذکر کیں، جس میں انبیاء و رسل کی پوری تعداد اور بہت سے رسولوں کے بہت سے واقعات کا بیان ہے، اس طرح انہوں نے اس بات کی تشریح کر دی ہے کہ بیان نہ کرنے کا مطلب ہے، قرآن میں بیان نہ کرنا۔ ورنہ احادیث میں تو انبیاء و رسل کے سلسلہ میں بڑا تفصیلی تذکرہ ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ قرآن کے ذریعہ تو ان رسولوں کا ذکر اللہ نے نہیں کیا مگر دیگر ذرائع (و جی خفی) کے ذریعہ تو ان کا بیان ثابت ہے تبھی تو ان کا ذکر ہم تک بھی پہنچا۔

پس رئیس صاحب کا ان کو بھی اجمالی اور تفصیلی توجیہ کرنے والوں کی صف میں شمار کرنا کتنی بڑی دیانت داری ہے؟ جس کو ہم ان کی دیانت داری نمبر ۳ شمار کرتے ہیں:

ہو ابے مدعی کا فیصلہ الثامیرے حق میں کیا ہے چاک خود یوسف کا پیرا، بن زلیخا نے یہاں تک رئیس صاحب کے دیانت داری کے بھرم کھلنے کی بات تھی، اب عربی دانی کا حال بھی ملاحظہ ہو، آپ نے آیت سورہ نساء، اور آیت سورہ مؤمن دونوں لکھ کر دونوں کا مطلب بتایا:

”ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا جن میں سے بعض کے تفصیلی حالات ہم نے آپ سے بیان کیے، اور بہتوں کے نہیں۔“

[ابطال ص: ۵۴]

حالانکہ آیت سورہ نساء کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ”ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا“ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ”اس آیت کے نزول سے پہلے ہم نے بہت سے رسولوں کا حال بیان کیا“ چنانچہ تفسیر ابن کثیر ص: ۵۱۵ میں ہے:

﴿رسلاً قد قصصنا عليك من قبل﴾ أي: من قبل هذه الآية، یعنی فی سورة المکیة وغیرہا، ﴿ورسلاً لم نقصص﴾ أي: خلقاً آخرین لم نقصص بعد فی القرآن۔

[تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۷۶۷]

کتنے رسولوں کا قصہ ہم نے آپ سے قبل بیان کیا یعنی اس آیت سے قبل بیان کیا، مکی اور غیر مکی سورتوں میں، اور بہت سے رسولوں کا حال قرآن میں اب تک بیان نہیں کیا۔

شاید رئیس صاحب کی ”نحو“ کچھ کمزور ہے، اس لیے یہ سمجھ نہیں پائے کہ آیت میں لفظ ”من قبل، رسلاً“ کے متعلق نہیں ”قصصنا“ کے متعلق ہے۔

اس میں بھی ہمارے خیال میں رئیس صاحب کا قصور کم ہے، ان کے امام الطائفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کہہ گئے ہیں کہ ”قرآن سمجھنے کے لیے کچھ زیادہ علم کی ضرورت نہیں“ اور رئیس صاحب اسی حکم پر مضبوطی سے کاربند ہیں۔

جنت کی بہاریں:

تیسری آیت کے سلسلہ میں علمائے اہل سنت کا جواب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ: کوئی جان اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ نعمت کو جو جنت میں ملے گی جانتی نہیں، یہ تو نہیں فرمایا کہ آئندہ جانے گی نہیں، اس لیے اس آیت سے مطلقاً علم کی نفی پر استدلال صحیح نہیں۔ دوسرا جواب یہ تھا کہ جو چیز چھپا رکھی گئی ہے، اور جس کو کوئی نہیں جانتا وہ دیدار الہی ہے۔ دیگر انعامات بہشت کا ذکر ہوا ہے اور بقدر علم ہر شخص جانتا ہے۔

رئیس صاحب کی ذمہ داری یہ تھی کہ ثابت کرتے کہ فلاں فلاں نعمتوں کا بیان حضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے تک ہوا ہی نہیں، اور یہ ثابت کرتے کہ چھپی ہوئی نعمت صرف دیدار الہی نہیں ہے، اور فلاں فلاں نعمتیں ہیں جو مخفی ہیں تو بات بڑھتی۔

لیکن یہ بات رئیس صاحب کے بس میں کہاں تھی، اس لیے آیت مبارکہ ولا تعلم نفس لکھ کر اپنے پیش رو، مذہب علماء کی بات دہرا دی کہ ”معلوم ہوا کہ جنت کی جو نعمتیں چھپا رکھی گئیں ان کا علم رسول اللہ کو بھی نہیں۔“

لیکن اس کی تائید میں روایتیں جو پیش کیں وہ علمائے اہل سنت کے مسلک کی حمایت کرتی ہیں، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دو تفسیر معالم اور خازن سے، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول فتح الباری سے، حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ابن کثیر کے حوالے سے، اور اسی سے حضور ﷺ اور تفسیر ابوسعود سے خود ان کا قول نقل کیا اور ان کا مطلب خود بھی یہی

بتایا کہ ”جنت کی پوشیدہ نعمتوں کو نہ کوئی فرشتہ جانتا ہے نہ مقرب رسول“۔

ناظرین غور فرمائیں، ان روایتوں سے اہل سنت و جماعت کے مسلک کو کیا نقصان، سارے حوالے صرف چھپی ہوئی نعمت کے سلسلہ میں ہیں، وہ تو خود ہی اقرار کرتے ہیں، بلاشبہ جنت کی وہ پوشیدہ دولت دیدار الہی ہے، اور اس کی کیفیت کسی کو نہیں معلوم، اور آیت مبارکہ میں ”مَا أَخْفَى لَهُمْ“ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ علم چوں کہ ذات و صفات الہی سے متعلق ہے، اس لیے نہ ماکان ہے نہ مایکون، کیوں کہ وہ الآن کما کان ہے۔

پیارے رئیس صاحب اور ان کے خواجہ تاش جو بخاری اور مسلم سے نیچے اترتے ہی نہیں اپنی بات کی چٹ کرکھنے کے لیے کہاں کہاں مارے مارے پھرے، حد یہ ہے کہ تفسیر ابو سعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی مدد مانگی، مگر ساری محنت رائیگاں گئی۔ اور بات وہ ثابت ہوئی جو ان کے مقابل کی تائید کرے۔

لیکن ان روایتوں کے نقل کرنے کے بعد رئیس صاحب کو کچھ نشہ سوار ہوا۔ اور آپ نے بریلوی مولویوں پر تیرا بکنا شروع کیا فرماتے ہیں:

”یعنی ان نعمتوں کو کوئی فرشتہ اور برگزیدہ رسول بھی نہیں جانتا چہ جائے کہ بریلوی ملا جو دعویٰ کرتے ہیں، رسول پر انفرار کر کے کہ ہم بھی جنت کی نعمتوں کا علم رکھتے ہیں۔“

[ابطال ص: ۵۷]

رئیس صاحب! بریلوی بلا پیچاروں کا کیا قصور، یہ سبق تو خود قرآن و حدیث کا ہے، جس کو آپ بھی جانتے ہیں۔ مگر عداوت مصطفیٰ ﷺ میں فساد بھلا رکھا ہے، صرف قرآن میں جنت کی جن نعمتوں کا بیان ہوا ہے، ان کا ایک شمع ذکر آپ بھی سینے:

جنت کی وسعتوں کا بیان:

﴿عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ [الحمدید: ۵۷-ت ۲۱]

جنت کی وسعتوں میں آسمان و زمین سما جائیں۔

اس کے مختلف درجات کی یہ تفصیل ہے:

﴿جَنَّتُ عَدْنُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ [طہ: ۲۰-ت ۷۶]

”جنات عدن“ جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔

﴿وَهُمْ مُكْرَمُونَ (42) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ [الصفّٰت: س ۳۷ ت ۴۳]
 ”جنتِ نعیم“ میں ان کا اعزاز ہوگا۔

﴿لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ [الکھف: س ۱۸ ت ۱۰۷]
 ”جنتِ الفردوس“ میں ان کی مہمانی ہوگی۔

﴿أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ﴾ [الفرقان: س ۲۵ ت ۱۵]
 ”جنتِ الخلد“ کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے۔

جنت کے موسم کے سلسلہ میں ارشاد ہوا:

﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا (12) مُتَكَبِّرِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا﴾ [الدھر: س ۷۶ ت ۱۲]
 جنتیوں کے صبر کا بدلہ باغ اور حریر ہیں، یہ لوگ جنت میں تخت پر ٹیک لگائے ہوں گے جس میں نہ دھوپ ہوگی نہ سردی۔

جنت کے مکانون اور بالا خانوں کا اس طور پر ذکر ہوا:

﴿وَهُمْ فِي الْغُرَفَاتِ آمِنُونَ﴾ [الاسباء: س ۳۴ ت ۳۷]
 اور وہ لوگ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔

﴿أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا﴾

[الفرقان: س ۳۵ ت ۷۵]

ان کو جنت کا سب سے اونچا بالا خانہ انعام میں ملے گا، ان کے صبر کا بدلہ وہاں کورس اور سلام سے ان کی پیشوائی ہوگی۔

ایک جگہ بالا خانہ در بالا خانہ کا ذکر بھی آیا ہے:

﴿لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾

[الزمر: س ۳۹ ت ۲۰]

رب سے ڈرنے والوں کے لیے بالا خانوں پر بالا خانے بنے ہوئے ہیں جن کے نیچے

نہریں رواں ہیں۔

گھرے سایوں اور پھل دار درختوں کی تفصیل یوں آئی:
﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَكِرُونَ﴾

[یس: س ۳۶، ت ۵۶]

اہل جنت اور ان کی بیویاں سارے میں تخت پر ٹیک لگائے محو نظارہ ہوں گے۔

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ (41) وَقَوَائِكَ مِمَّا يَشْتَهُونَ﴾

[المرسلات: س ۷۷، ت ۴۱]

اہل تقویٰ چشموں کے کنارے من چاہے پھلوں اور سایہ دار درخت میں ہوں گے۔
ایک جگہ عجیب دل کش منظر کشی ہے:

﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا﴾

[الانسان: س ۷۶، ت ۱۴]

ڈالیاں ان پر جھکی ہوں گی، اور پھل مائل بہ سپردگی ہوں گے۔
یہ منظر بھی قابل دید ہے:

﴿وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ (27) فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ (28)
وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ (29) وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (30) وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ﴾

[الواقعة: س ۵۶، ت ۲۷]

اصحاب یمن کون ہوں گے جو ایسے بیروں کے ہجوم میں ہوں گے جن میں کاشا
نہیں، اور ایسے کیلے جوتہ بہتہ ہوں گے، اور سارے دراز ہوں گے، نہریں مستقل بہتی ہوئی اور پھل
بے شمار۔

جنت کے پھلوں کی طرف ملاحظہ ہو:

﴿فِيهَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾ [الرحمن: س ۵۵، ت ۲۸]

﴿فِيهِ مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ رَّوْجُنٌ﴾ [الرحمن: س ۵۵، ت ۵۲]

جنت میں بے شمار پھل اور چھوہارے اور انار ہوں گے۔ اور اس میں ہر نوع کے پھلوں
کی دو قسمیں ہوں گی۔

﴿قَوَائِكَ مِمَّا يَشْتَهُونَ﴾ [المرسلات: س ۵۶، ت ۴۲]

جنت میں ہر ایک کے پسندیدہ پھل ہوں گے۔

﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ﴾ [الواقعة: س ۵۶، ت ۲۰]

اور پھل جنہیں ہر کوئی پسند کرے۔

ایک جگہ یہ کہہ کر سارے ہی قابل لحاظ پھلوں کا ذکر کیا گیا:

﴿وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ﴾

[محمد: س ۴۷، ت ۱۵]

اور ان کے لیے سبھی انواع و اقسام کے پھل ہوں گے، اور سب سے بڑھ کر ان کے رب کی مغفرت کا ساتھ ہوگا۔

﴿يَذُغُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ﴾ [الدخان: س ۵۴، ت ۵۵]

اور اس میں امن و چین کے ساتھ سارے ہی پھلوں کے لیے بلاے جائیں گے۔ گوشت کے ذکر میں فرمایا گیا:

﴿وَلَحْمٍ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ [الواقعة: س ۵۶، ت ۳۱]

اور جیسے پرندوں کا گوشت وہ پسند کریں۔

اور نہروں کا تو اتنی بار اور اتنے دلکش انداز میں ذکر ہوا ہے کہ روح جھوم اٹھتی ہے، صرف ایک مقام سے آیات قرآنی کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ

لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٌ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾

[محمد: س ۴۷، ت ۱۵]

ان جنتیوں کی مثال جن کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے ان میں پانی کی نہریں جو ٹھہراؤ سے خراب نہیں ہوتا، اور دودھ کی نہریں جس کا مزہ نہیں بدلتا، اور شراب کی نہریں پینے والوں کے لیے لذت و سرور کا سرمایہ، اور صاف شفاف شہد کی نہریں۔

جنت کی شراب کی مختلف تفصیلات مذکور ہوئیں:

﴿يَتَنَزَّلُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَعَوٌ فِيهَا وَلَا تَأْنِيَةٌ﴾

[طور: س ۵۲، ت ۲۳]

ایک دوسرے سے لیتے وہ جام جس میں نہ بے ہودگی نہ گنہگاری۔
﴿وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ (۱۸) لَا يُصَدَّغُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ﴾

[الواقعة: س ۵۶، ت ۱۸]

اور جام اور آنکھوں کے سامنے بہتی شراب کہ اس سے نہ درد نہ ہونہ ہوش میں فرق آئے۔
﴿وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا﴾

[الانسان: س ۷۶، ت ۱۷]

اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی آمیزش ادراک ہوگی، اور شراب کی نہریں
جن کا نام سلسیل ہے۔

﴿وَكَأْسًا دِهَاقًا لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا﴾ [النباء: س ۷۸، ت ۵]
اور چھلکتے پیمانے جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہو نہ جھٹلانا۔

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِّنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا﴾

[الانسان: س ۷۶، ت ۵]

نیکیوں کے لیے ایسے جاموں کا دور ہوگا جس کی تاثیر کا فوری ہوگی۔
جنتیوں کے تخت و نشست گاہ، فرش، بستر، ظروف اور پیالوں، لباس اور
آرائش کی نہایت مسحور کن تفصیلات مذکور ہیں:

﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا﴾

[الانسان: س ۷۶، ت ۱۵]

شیشوں کی طرح شفاف چاندی کے پیالے اور برتن جنتیوں کے لیے گردش میں لائے
جائیں گے، جو نہایت انداز اور قرینے سے ہوں گے۔

﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابٌ سُنَدُسٌ خُضِرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِّن فِضَّةٍ
وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا﴾ [الانسان: س ۷۶، ت ۲۱]

ان کے جسموں پر سبز کریم اور حریر کے لباس زیب دے رہے ہوں گے، اور ہاتھوں
میں چاندی کی زینتیں اور پینے کو ستھری شراب ہوگی۔

﴿عَلَى سُرُرٍ مُّوَضُونَةٍ. مُّتَكِنِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ. يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

﴿مُحَلَّدُونَ﴾

[الواقعة: س ۵۶، ت ۱۵]

اور جنتیوں کے گروہ درگروہ جڑاؤ تختوں پر ٹیک لگا کے آمنے سامنے ہوں گے، جن کی خدمت کو ہمیشہ نوخیز رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے۔

﴿إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهُونَ . هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي

[يس: س ۳۶، ت ۵۵]

ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَكُونُونَ﴾

بے شک جنت والے آج دل کے بہلاوے میں چین کرتے ہیں وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تکیہ لگاے ہوئے۔

حوران جنت اور غلمان بہشت جن کے بارے میں کسی آگاہی کا رئیس صاحب کو انکار ہے، قرآن عظیم سے ان کی تفصیلات سنئے:

﴿فِيهِمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِئِنَّهُنَّ أَنْسَ قُبُلُهُمْ وَلَا جَنَانٌ﴾

[الرحمن: س ۵۵، ت ۷۳]

جنت کے باغوں میں نیچی نگاہ والی اچھوتیاں ہیں جنہیں اس سے قبل نہ آدمیوں نے چھوانہ جنوں نے۔

﴿كَانَّهُنَّ الْيَاقُوتَ وَالْمَرْجَانُ . حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾

[الرحمن: س ۵۵، ت ۷۳]

اور یہ یاقوت و مرجان کی طرح دلکش خیموں میں رہنے والی حوریں ہیں۔

﴿وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ . كَانَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ﴾

[الصلف: س ۳۷، ت ۴۸]

جنتیوں کی ہم نشین نیچی نگاہ والی حوریں ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سوا آنکھ نہ اٹھائیں، آہو چشم گویا سینت کر رکھے ہوئے اٹھ رہے ہیں۔

﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنِشَاءً . فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا . غُرُبًا أَتْرَابًا﴾

[الواقعة: س ۵۶، ت ۳۷]

ہم نے عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا، تو انہیں کواری اپنے شوہروں کی پیاری پیار دلانے والی کم سن اور نوخیز بنادیا۔

﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكَنُونٌ﴾

[الطور: ص ۵۲، ت ۲۴]

اور جنتیوں کے خدمت گزار جیسے حفاظت سے رکھے ہوئے موتی (آب دار شاندار اور طرح دار)۔

جنت کی بہاروں کی یہ مختصر قرآنی تشریح ہے، تمام آیتوں کا استقصا مقصود نہیں۔ اور احادیث مقدسہ میں اس کی تفصیل کا جو دفتر ہے وہ علاحدہ ہے۔ اگر سب کو جمع کرنا ہو تو غالب کی طرح کہنا پڑے گا:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے
رئیس صاحب اب تو آپ کا بخارا تر گیا ہوگا، اور علما بے بریلی کو آپ نے معاف کر دیا
ہوگا۔ کہ جنت کی نعمتوں کے جاننے کا دعویٰ انہوں نے غلط نہیں کیا تھا۔

لیکن کہاں آپ تو ابھی اسی عالم میں ہیں، چنانچہ حور، قصور، غلمان اور شراب طہور سے
تمام مخلوق کی بے خبری کے ثبوت کے لیے مزید دو حدیثیں پیش فرمائیں:

ایک روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ جنت میں تشریف لے گئے جس کے صحن میں
ایک لونڈی کو دیکھا، آپ نے پوچھا یہ کس کا گھر ہے؟ کہا گیا حضرت عمر کا۔ آپ ﷺ فرماتے
ہیں: میں عمر کی غیرت کی وجہ سے گھر میں نہیں گیا“ رئیس صاحب فرماتے ہیں:
”معلوم ہوا جنت کی ہر نعمت کیا حضرت عمر کے گھر کے اندر بھی آپ نے نہیں دیکھا“۔

[ابطال، ص: ۵۸]

دوسری حدیث غنیۃ الطالبین سے نقل کی کہ ”اگر جنت کی کوئی عورت بھی اپنا جلوہ
دکھا دے تو کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی مرسل باقی نہ بچے سب کے سب مبتلائے فتنہ ہو جائیں“ پھر
بے حد جھٹک کر رئیس صاحب فرماتے ہیں:

”کیا بریلوی لوگ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی نبی حتیٰ کہ ہمارے رسول یا جبریل و میکائیل

جنت کی حوروں کے دیدار سے مبتلائے فتنہ ہو گئے۔“ [ابطال، ص: ۵۸]

مگر میں رئیس صاحب سے نہایت ادب سے عرض کروں گا، صاحب سنبھلیے آپ

بالکل بے قابو ہوئے جارہے ہیں۔ بقول شاعر:

نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ بات ہو رہی تھی علم اور جاننے کی اور آپ حدیثیں پیش کرنے لگے نہ دیکھنے کی، کیا جاننے کے لیے دیکھنا ضروری ہے، بے دیکھے علم نہیں ہو سکتا۔ جنت کی بہاروں کی وہ ساری تفصیل جو اوپر مذکور ہوئی، آپ کو معلوم ہوئی یا نہیں، تو کیا آپ نے سب کو دیکھ لیا؟ اگر یہ تفصیلات بے دیکھے آپ کو معلوم ہو سکتی ہیں، تو حضور ﷺ کے لیے آپ کے یہاں کیا تنگی ہے؟ کہ یہ نہیں دیکھا وہ نہیں دیکھا بالفرض نہ دیکھا پھر بھی اس سے جاننے پر کیا اثر پڑتا ہے؟ آپ اپنی غیر متعلق دلیل واپس لیجیے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ آپ بریلویوں سے کیا پوچھتے ہیں، یہ سوال تو خود آپ کے سر پر سوار ہے کہ جب کسی بھی عورت کو دیکھ کر فرشتہ مقرب اور نبی مرسل فتنہ میں پڑ سکتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کے صحن میں جنت کی ایک عورت کو کیسے دیکھا؟ یہ حدیث تو خود آپ نے ہی روایت کی ہے، اس لیے بریلویوں سے پہلے آپ کو ہی بولنا پڑے گا۔

ہم نہ کہتے تھے کہ اے ذوق تو زلفوں کو نہ چھیڑ

یہ جو الجھیں گی تو تو خود ہی پریشاں ہوگا

علم روح:

علم روح کے سلسلہ میں بھی علمائے اہل سنت کے اس جواب پر کہ ”آیت مبارکہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو، کہ حضور ﷺ کو روح کا علم نہیں تھا“ رئیس صاحب کو ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی، لب ہلانے کا یارانہ ہوا، اور قلم حرکت میں نہ آسکا۔ کیا تو یہ کہ اپنے پیش روں کا چایا ہوا نوالہ دوبارہ چباتے رہے۔ کہ فلاں بزرگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو روح کا علم نہیں تھا۔ فلاں امام کا قول ہے کہ روح کو کوئی نہیں جانتا، فلاں شیخ کا مقولہ ہے کہ روح کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ حد یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث بھی تو نہ لکھ سکے، اور اتنا گر گئے کہ اپنے مشرب کے خلاف صوفیہ کرام کے دامن کا بھی سہارا لیا کہ فلاں مشائخ کرام کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن رئیس صاحب کو اچھی طرح یہ احساس تھا کہ اثبات مدعا کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔ اس لیے صاف صاف دروغ بانی پر بھی اتر آئے اور جن

بزرگوں سے رئیس صاحب کے دعویٰ کے خلاف اقوال مروی ہیں ان کو بھی منکرین کی صف میں شمار کر لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”حافظ ابن حجر یعنی حنفی کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ آپ حقیقت روح سے باخبر نہ تھے“

[ابطال، ص: ۶۰]

گزارش یہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی اور شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کی تلاش میں آپ نے احیاء العلوم کے حواشی تک کی ورق گردانی کی زحمت اٹھائی، اور اصل کتاب میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول آپ کو نظر نہیں آیا جسے ہم اس سے پہلے نقل کر آئے ہیں کہ: ”یہ گمان مت کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، بھلا جو روح کو ناجانے وہ اپنے کو کیا پہچانے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے ہوگی۔

بولیے کیا فتویٰ ہے آپ کا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں، کیا وہ بھی بریلوی ہی تھے۔ اور سنیہ محقق علی الاطلاق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کیا فرماتے ہیں:

مشہور میان مردم ہمیں قول است کہ مراد بقول وے تعالیٰ: قل الروح من أمر ربی آنست کہ پروردگار تعالیٰ منفرد است بعلم روح وغیر وے تعالیٰ را بمعرفت حقیقت آن راہ نیست، وحق آنست کہ در آیت دلیلہ نیست بر آنکہ حق تعالیٰ مطلع نہ گردانیدہ است حبیب خود را ﷺ بماہیت روح، بلکہ احتمال دارد کہ مطلع گردانیدہ باشد و امر نہ کرد اگر کہ مطلع گردانیدہ این قوم را، و اشارت میکند باین معنی قل حق سبحانہ: ﴿وَمَا أَوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ کہ خطاب بہ آن قوم است کہ خطاب بہ رسول کردند یعنی شما قابل آن نیست کہ فہم آن حقیقت کنید و میگوید بندہ مسکین حقیقہ اللہ بنور ایتقین چگونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم حقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین کند و دادہ است سبحانہ علم ذات خود و صفات خود واقع کرد برائے او فتح مبین از علم اولیس و آخرین روح انسانی چہ باشد در جنب حقیقت جامعہ او قطرہ الیست از دریا و ذرہ الیست از بیضاء.

لوگوں کے درمیان مشہور تو یہی ہے کہ روح کی حقیقت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے کو اس کی آگاہی کی کوئی سبیل نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ آیت: ﴿قل الروح من

اُمَر رُحی ﴿ میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت روح سے اپنے حبیب کو بھی باخبر نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَمَا أُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیْلًا﴾ سے تو یہ اشارہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حقیقت روح سے آگاہ کر کے یہ حکم دیا گیا کہ قوم کو اس سے باخبر نہ کریں، کیوں کہ آیت میں رسول اللہ ﷺ سے حقیقت روح دریافت کرنے والوں سے خطاب کیا گیا کہ تم اس حقیقت کی دریافت کے لائق نہیں ہو۔ اور بندہ مسکین (جسے اللہ تعالیٰ نور یقین سے منور کرے) تو یہ کہتا ہے کہ ایک خدا آگاہ آدمی یہ کہنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے کہ سید المرسلین امام العارفین ﷺ حقیقت روح نہیں جانتے تھے، جب کہ خدا نے انہیں اپنی ذات و صفات کا علم دیا، اور علم اولین و آخرین کا فتح باب فرمایا تو آپ کی حقیقت جامعہ کے پہلو میں علم روح کی کیا حقیقت، جیسے دریا میں ایک قطرہ یا صحراء میں ایک ذرہ۔

[مدارج النبوة جلد دوم، ص: ۴۱۴]

کہیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو کس خانہ میں رکھیے گا، جو رسول اللہ ﷺ کے حقیقت سے آگاہی پر داد تحقیق دے رہے ہیں، اور عارفوں کو لاکھ رہے ہیں، کوئی عارف بھلا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے روح کا علم نہ ہونے سے متعلق ایک لفظ بھی نہیں وغیرہ۔

اور آپ کو ذرہ بھی غیرت نہ آئی کہ امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو منکرین روح میں شمار کرتے ہوئے۔ سینے وہ آپ کی دروغ بانی کا پردہ چاک کر رہے ہیں:

”وقد کثر الاختلاف فی أمر الروح بین الحكماء والعلماء المفسرین قديماً وحديثاً، وأطلقوا أعنة النظر وخاضوا في غمراته، وقاهر في التيه، فالأكثر على أن الله تعالى أبهم علم الروح عن الخلق واستأثره لنفسه حتى قالوا: إن النبي ﷺ لم يكن عالماً به، قلت: جل منصب النبي ﷺ وهو حبیب الله وسيد خلقه أن يكون غير عالم به بالروح، كيف وقد من الله عليه بقوله: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً﴾ وقال أكثر العلماء: وليس في الآية دليل على أن الروح لا يعلم، ولا على أن النبي ﷺ لم يعلمها.“

[عینی جلد ثانی، ص: ۲۱۰]

مسئلہ روح پر حکماء و علما مفسرین میں بڑا اختلاف ہے، پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے، لوگوں نے روح کے مسئلہ میں غور و فکر کی لگام ڈھیلی چھوڑ رکھی اور اس کی باریکیوں میں خوب غوطے لگائے ہیں۔ اور مقام حیرت میں حیران و ششدر ہوتے ہیں، بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو مخلوق سے پوشیدہ رکھا اور اپنی ذات کے لیے خاص فرمایا، حدیہ کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسے نہیں جانتے۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ کا رتبہ اس بات سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو۔ آپ خدا کے حبیب، مخلوقات کے سردار، تو یہ کیسے ممکن کہ آپ روح کی حقیقت نہ جانیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو سب بتا دیا جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ اکثر علما یہی کہتے ہیں کہ آیت سے نہ تو یہ ثابت ہے کہ روح جاننے کی چیز نہیں، نہ یہ ہی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم نہ تھا۔

آخر میں ہم امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ”شفاء الصدور فی احوال الموتی والقیور“ سے ان کا ایک قول فیصل ذکر کرتے ہیں جس سے اس مسئلہ پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے:

”اختلف الناس فی أمر الروح علی فریقین، فرقة أمسکت عن الکلام فیہا، لأنها سر من أسرار الله لم یؤت علمہا للبشر، وهذه الطريقة هی المختارة. وفرقة تکلفت فیہا وبحثت عن حقیقتها. و اختلف أهل الطريقة الأولی هل علم النبی ﷺ، فقال ابن ابي حاتم عن ابي هريرة وقبض النبی ﷺ ولم یعلم الروح، قالت طائفة: بل علمه واطلعه علیہا ولم یأمره أن یطلع علیہا أمته نظیر الخلاف فی أمر الساعة.“

لوگ روح کے مسئلہ میں دو گروہ ہو گئے، ایک طبقہ تو روح میں کلام نہیں کرتا کہ یہ اللہ کا بھید ہے، آدمی کو اس کی کچھ خبر نہیں، اور یہ راستہ پسندیدہ ہے۔ اور دوسرا فرقہ اس کی حقیقت میں خوب بحث مباحثہ اور غور و فکر کرتا ہے۔ پہلے طبقہ کے لوگ پھر دو جماعت ہو گئے (۱) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے گئے مگر روح کو نہ جان سکے۔ (۲) دوسری جماعت کہتی ہے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو روح کا علم دیا اس پر آگاہ کیا۔ ہاں امت کو اس پر مطلع کرنے

سے روکا۔ تو یہ ایسا ہی اختلاف ہے جیسے علم قیامت کے بارے میں علما کا خیال ہے کہ بعض کے نزدیک جانتے تھے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ [ص: ۱۳۳]

پس ظاہر ہوا کہ علم قیامت کی طرح علم روح کے سلسلہ میں بھی مولوی رئیس احمد صاحب حقیقت حال سے بے خبر، نادان، اور بھولے ہیں۔ یا جان بوجھ کر بھولے ہیں اور اپنے پیش روں کا گایا ہوا گیت دہرا رہے ہیں۔

انوکھے دلائل:

مولوی رئیس صاحب نے اس عنوانات کے تحت کل چھ آیتیں تحریر کی ہیں:

(۱) ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

[المزمل: س: ۷۳، ت: ۱۵]

رَسُولًا ﴿

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول جو تم پر شاہد ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول

بھیجا۔

(۲) ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا. ﴿

[النساء: س: ۴، ت: ۱۷۹]

آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھا دیا اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل

عظیم ہے۔

(۳) ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ

[ال عمران: س: ۳، ت: ۱۷۹]

مَنْ يَشَاءُ ﴿

اللہ تعالیٰ تم کو غیب پر خبر نہیں دے گا لیکن اپنے رسولوں میں سے جن کو چاہے چن لیتا ہے۔

(۴) ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُهُ بِمِيمِنِكَ ﴿

[العنکبوت: س: ۲۹، ت: ۴۸]

اس سے پہلے آپ نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھتے تھے۔

(۵) ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿

[النجم: س: ۵۳، ت: ۳]

آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے۔

(۶) ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ

[القصص: س ۲۸، ت ۴۴]

مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾

اے پیغمبر علیہ السلام جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے امر کا فیصلہ کیا تو آپ مغربی جانب موجود نہ تھے۔

اور اس کے بعد یہ نتیجہ مرتب فرمایا:

”ان آیات کی تصریحات کے بالکل برخلاف اور عقیدہ سلف کے بالکل برعکس یہ وہم ہو جانا کہ آپ اپنے پیدا ہونے سے پہلے، بلکہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے حاضر و ناظر و عالم الغیب تھے ایک عجیب وہم ہے۔“

[ابطال ص: ۶۵]

اس پر ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ دلائل تو کچھ انوکھے نہیں۔ جو کچھ طرفہ گی اور البیلا پان ہے صرف رئیس صاحب میں ہے کہ انہوں نے وہ جرأت کر ڈالی جو آج تک کسی وہابی دیوبندی سے نہیں ہوئی تھی، پہلی تین آیتیں تو رسول اللہ ﷺ کے عظیم و جلیل علم کے وہ روشن دلائل میں جن کو آج تک علمائے اہل سنت اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے رہے، تو خصم کی دلیل کو اپنے مدعا کی تائید میں پیش کرنا انوکھے پن سے بھی آگے کی چیز ہے۔ ناظرین خود ملاحظہ کریں:

(۱) آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے ہم نے سب آپ کو بتا دیا (سورہ نساء)

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر اپنے رسولوں کو اطلاع بخشتا ہے۔ (آل عمران)

(۳) ہم نے رسول گرامی کو تم پر شاہد بنایا۔ (مزل)

یہ آیات بینات اہل حق کے موقف کی ایسی واضح دلیلیں ہیں کہ آج تک علمائے دیوبند اور کبرائے وہابیہ کو ان کا جواب دیتے وقت کلیجہ منہ کو آتا ہے، دم پھولنے لگتا ہے، قلم پر کچکی طاری ہو جاتی ہے، اور ہاتھ تھرتھراٹھتا ہے، اور ان کے جواب سے ماتھوں پر پسینہ آ جاتا ہے، مگر رئیس صاحب نے چٹکی بجاتے ہوئے ان سب دلیلوں پر علم غیب کی مخالفت کا لیبل چسپاں کر دیا۔ اس سے بڑی طرفہ گی اور کیا ہوگی۔

صاحب کو یہی نہیں معلوم کہ ہماری دلیل کیا ہے، اور خصم نے کن دلائل سے استدلال کیا ہے۔ اور آپ کے بڑے کیا کہتے ہیں:

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں

اس کے بعد دو آیتیں:

(۱) رسول اللہ نے نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی اور کچھ لکھا نہیں۔

(۲) پیغمبر خدا کی ہر بات وحی الہی۔

یہ دونوں آیتیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی مدح و ثنا میں اتاریں کہ اے حبیب نزول قرآن سے پہلے آپ نے کوئی کتاب پڑھی نہیں، کچھ لکھا نہیں، کسی کے سامنے زانوے ادب نہ نہیں کیا اور پڑھنے پر آئے تو خدا کی کتاب پڑھنے لگے، عالم کے اسرار بتانے لگے، قوموں کو ان کا نوشتہ تقدیر دکھانے لگے۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگردِ رشید حق تعالیٰ

مطلب یہ کہ نہ لکھنا اور نہ پڑھنا ہی آپ کا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے، اور اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ ہمارے حبیب کی بات وحی الہی ہے، ظن و تخمین اور لوگوں کی طرح قیاس آرائی نہیں۔

لیکن یہ بندہ حرص و ہوا، ان مدارجِ جلیلہ کو رسول اللہ ﷺ کی قدح قرار دے رہا ہے، اور پڑھنے والوں کو یہ تاثر دے رہا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ بے علم تھے۔ اور اپنی ہر بات میں آپ وحی کے محتاج تھے، ہم تو کچھ اپنے من سے بھی کہہ دیتے ہیں لیکن رسول اللہ بولنے سے پہلے جبرئیل امین کی راہ نکا کرتے تھے، کہنے والے نے ٹھیک ہی کہا ہے:

ہنر چشمِ عداوت بزرگ تر عیب است گل است سعدی و در چشم دشمنان خارا است

چھٹی آیت میں یہ ہے کہ طور پر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ موجود نہ تھے، یہ آیت مولوی عبد الرؤف صاحب نے بھی ”تردید حاضر و ناظر“ میں تحریر کی تھی جس کا جواب ہم الشاہد میں پیش کر چکے ہیں کہ آیت میں نفی حضور جسمی کی ہے، حضور کی نہیں، حضور جسمی کا خود ہم بھی انکار کرتے ہیں۔

لیکن ان آیتوں کی تحریر سے رئیس صاحب کا اصل مقصد یہ ضمنی فوائد نہیں، ان کی اصل غرض تو یہ ہے کہ انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ ”اہل سنت و جماعت رسول اللہ ﷺ کو خود ان کی پیدائش بلکہ حضور آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے حاضر و ناظر اور عالم الغیب مانتے ہیں، اور یہ علم خدا کے بتانے سے نہیں بلکہ از خود وہ عالم کے ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں۔“

اور اپنے زعم میں اسی عقیدہ باطلہ کو رد کرنے کے لیے انہوں نے وہ آیات پیش کیں کہ

قرآن تو فرماتا ہے کہ ہر بات ہمارے بتانے سے ہے، تو اے بریلوی تم از خود کا دعویٰ کیوں کرتے ہو؟ قرآن تو کہتا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے وہ لکھتے پڑھتے ہی نہیں تھے، تو تخلیق آدم سے پہلے وہ سب کچھ جان کیسے گئے، وغیرہ وغیرہ۔

یہاں کوئی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ رئیس صاحب بھلا ایسی بے بنیاد بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جب کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن پر عقیدہ حاضر و ناظر کی ایجاد کا الزام ہے، بباغ دہل اعلان کرتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو عالم ماکان و مایکون اور حاضر و ناظر بایں معنی کہتے ہیں کہ ابتداءے آفرینش سے دخول جنت و نار تک ہر چیز کا علم حضور ﷺ کو ہے۔ یہ ان کے علم کی ابتدائی اور آخری حدیں ہیں تو آپ کا علم محدود اور تنہا ہی ہوا۔ اور یہ علم رسول اللہ ﷺ کو از خود نہیں، عطاے الہی سے ہوا، لہذا یہ علم حادث اور عطائی رہا، اور سارا علم آپ کو یک بارگی نہیں ملا، تدریجاً نزول قرآن کی تکمیل تک مکمل ہوا، پس آپ کی پیدائش یا تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ان سب علوم کے حاصل ہونے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔

مولانا مولوی عتیق الرحمن صاحب مرحوم و مغفور جو اس سلسلہ میں بحث کی ابتدا کرنے والے ہیں خود انہوں نے اپنی کتاب میں حاضر و ناظر کے جو معنی بیان کیے ہیں، اس میں دور دور تک کہیں بھی اس بات کا شائبہ تک نہیں تھا کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے آپ کو سب معلوم ہو چکا تھا۔

خود الشاہد میں جگہ جگہ انہیں مسائل کی تشریح و توضیح اور تکرار و اعادہ ہے، اور ان سب کو چھوڑیے، خود رئیس صاحب، اسی ابطال ص: ۵۰، پر اترار کرتے ہیں کہ:

”اگر محض بریلویوں کا یہ دعویٰ صحیح بھی ہو کہ آپ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں عالم الغیب بن گئے تھے۔“

پس ان ساری شہادتوں کے باوجود رئیس صاحب اتنا غلط اتنا بڑا الزام علمائے اہل سنت کے خلاف کس طرح قائم کر سکتے ہیں؟۔

میں کہوں گا، آپ کا فرمانا سب سچ ہے، لیکن اگر سوچ کر ہی بولنا ہوتا تو اس کے لیے رئیس صاحب کا انتخاب کیوں ہوتا۔ نیز اگر یہ دیکھ کر ہی بولنا ہوتا کہ حریف کیا کہہ رہا ہے یا میں خود کیا کہہ آیا ہوں تو انوکھا پن کیا ہوا۔ انوکھا پن تو یہی ہے کہ رئیس صاحب کو نہ مخالف کی ہی خبر نہ

اپنے ہی آگے پیچھے کا ہوش ہے، عالم بے خودی میں اپنے حریف کے افکار و تصورات کا ایک فرضی ڈھانچہ گڑھ لیتے ہیں، اور اسی کے خلاف دل کے پھپھو لے پھوڑنے لگتے ہیں۔ طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگتے ہیں۔

ایک حوالہ ص: ۶۵ سے ہم نقل کر آئے ہیں جس میں رئیس صاحب نے تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل ہی عالم ماکان و مایکون ہونے کا الزام لگایا ہے۔ مزید ص: ۶۱ کی عبارت حاضر ہے جو زیادہ واضح اور مفصل ہے:

”اب وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو رسالت پانے سے پہلے بلکہ تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہی آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے امکان کو باطل قرار دیں، کیوں کہ ہم نقل کر آئے ہیں کہ بریلوی لوگ رسول (ﷺ) کو تخلیق آدم کے پہلے کے زمانہ سے ہی حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتے ہیں۔“

[ابطال: ص ۶۱]

الغرض رئیس صاحب کا یہ انوکھا پن نمبر ۲ ہوا۔ پہلا بھی لا جواب تھا اور یہ دوسرا بھی لا جواب ہی ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی جوبات کی خدا کی قسم لا جواب کی مطلب یہ کہ اس پوری بحث میں رئیس صاحب نے صرف ہوا میں مکہ مارا ہے، ہم اس بات کے قائل ہی نہیں جو ہمارے سر تھوپ رہے ہیں۔

احادیث کے چند دلائل:

مولوی رئیس احمد صاحب نے اس عنوان کے تحت کل سولہ حدیثیں ذکر کی ہیں، اور اس کے لیے انہیں کافی محنت کرنی پڑی ہے۔ تمام کونوں کھدروں کی تلاش کی ہے، اور غیر مقلدیت کے معیار ”بخاری و مسلم“ سے بہت نیچے اترنا پڑا ہے، حد یہ ہے کہ شروح اور تفسیری روایتوں کا سہارا بھی لینا پڑا ہے، مگر حاصل پریشاں دماغی کے علاوہ کچھ نہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) حدیث کا مضمون یہ ہے ”حضور ﷺ نے شب معراج سدرۃ المنتہی کو ڈھانک لینے والے رنگوں کے بارے میں فرمایا: ان کی حقیقت نہ جان سکا“ اور حدیث نمبر ۱۵ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسما کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

رئیس صاحب نے ان حدیثوں کے ذکر کرنے کی محنت بے فائدہ اٹھائی، کیوں کہ ان کا

خصم خود اس بات کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بے شمار علوم ہیں جن کو مخلوقات میں کوئی نہیں جانتا، کیوں کہ وہ نہ ماکان ہیں نہ مایکون بلکہ وہ الآن کماکان ہیں، اس لیے سدرۃ المنتہی کو ڈھانک لینے والی تجلیوں کی حقیقت اور بعض اسمائے الہی کی حقیقت کے علم سے اگر حضور نے لاعلمی ظاہر کی تو اس سے اہل سنت و جماعت کے موقف کو کیا نقصان؟۔

رئیس صاحب کیا آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ مناظرہ میں اپنے خصم کے موقف سے آگاہی ضروری ہے۔

گر یہی بے خبری حضرت والا ہوگی تارو پود پدیری سب تہ بالا ہوگی

(۲) حدیث نمبر ۲۵۱ میں علی الترتیب یہ ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے سب سے اچھی زمین کے علم سے برأت کی، اور فرمایا: کہ تیج کے ملعون ہونے نہ ہونے، ذوالقرنین کے نبی ہونے نہ ہونے اور حدود کے کفارہ ہونے نہ ہونے کا مجھے علم نہیں۔“

اس پر ہماری گزارش یہ ہے کہ پہلی حدیث شریف میں رئیس صاحب نے صرف یہ ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے کہ حدیث مبارک کا وہی ٹکڑا نقل کیا ہے جس میں علم کی نفی ہے۔ اور وہ ٹکڑا جس میں صاف صاف علم کا بیان ہے اس کو الحدیث کے لفظ سے گول کر گئے، تاکہ اردو داں طبقہ یہ سمجھے کہ بھلا جب آپ کو زمین کا علم نہیں تو ماکان و مایکون کا علم کیا ہوگا؟

تو برواج فلک چردانی چیست چوں نہ دانی دردن خانہ کیست

اور حال یہ ہے کہ پوری حدیث یہ ہے کہ حضور نے پہلے لاعلمی ظاہر کی، پھر آپ پر وحی ہوئی تو آپ نے بتایا: سب سے اچھی جگہ مسجد اور سب سے خراب بازار ہے۔ لیکن پوری حدیث لکھ دیتے تو یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوتی۔

ہاں دوسری حدیث کے بارے میں دبی زبان سے ضرور رئیس صاحب نے اقرار کیا ہے کہ بعد میں آپ کو حدود کے کفارہ ہونے اور تیج کے ملعون کی اطلاع ملی۔ لیکن ذوالقرنین کے بارے میں آپ کی لاعلمی زائل ہوئی نہیں۔ اس بارے میں رئیس صاحب پھر مہربلب ہیں، شاید اس لیے کہ یہ خاموشی ہی ان کے حق میں فائدہ مند ہے، تو اس سلسلہ میں ہم خود کچھ کہنے کے بجائے صاحب روح المعانی علامہ آلوسی کا بیان نقل کرتے ہیں:

”اُخرج ابن عبد الحكم في الفتوح، وابن منذر وابن أبي حاتم وابن الأباري في المصاحف، وابن أبي حاتم في السنة، وابن مردويه من طريق أبي الفضل أن ابن الكواه سأل علياً رضي الله تعالى عنه عن ذي القرنين أنبيا كان أم ملكاً؟ قال لم يكن نبياً ولا ملكاً، ولا كن كان عبداً صالحاً. وإلى أنه ليس بنبي ذهب الجمهور.“ (تفسير روح المعاني: سورة الكهف - ت ۸۵ ۲۳/۹)

ابن حکیم نے فتوح میں اور ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن انباری نے مصاحف میں، اور ابن ابی حاتم نے سنت میں، اور ابن مردویہ نے ابوالفضل کے واسطے سے روایت کی کہ ابن کواہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ ذوالقرنین نبی تھے یا فرشتہ؟ آپ نے فرمایا: نہ نبی تھے نہ فرشتہ، وہ تو خدا کے ایک نیک بندے تھے، اور یہی جمہور علماء اسلام کا قول ہے۔

”قال رسول الله ﷺ: ما أدري أتبع؟ الحديث، وأنت تعلم ان هذا النفي لم يكن ليستمّر للنبي ﷺ فيمكن أن يكون درى عليه الصلاة والسلام فيما بعد أنه لم يكن نبياً كما يدل عليه ما روى عن علي كرم الله وجهه، فإنه لم يكن يقول ذلك إلا عن سماع، ويشهد لذلك ما أخرجه ابن مردويه عن سالم ابن أبي الجعد، قال سئل علي رضي الله تعالى عنه عن ذي القرنين، أنبي هو؟ فقال: سمعت نبيكم ﷺ هو عبد ناصح الله فنصحته.“

(تفسير روح المعاني: سورة الكهف، ت ۸۵ ۲۳/۹)

حضور ﷺ نے تبع اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے میں جو علم کی نفی فرمائی تو یہ نفی دائمی نہیں ہے، تو یہ ممکن ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی ہو کہ ذو القرنین نبی نہیں ہیں، اور اس بات پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنے بغیر اپنے قیاس سے کہہ ہی نہیں سکتے، اور ہماری بات کی تائید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہو رہی ہے جس کو ابن مردویہ نے ابوالجعد سے روایت کیا، میں نے تمہارے نبی سے سنا ہے فرماتے ہیں: کہ ذو القرنین ایک بندے تھے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نصیحت چاہی تو خدا نے انہیں نصیحت کی۔

الغرض ان دونوں حدیثوں سے رسول اللہ ﷺ کی ان امور کے متعلق لاعلمی کا ثبوت

فراہم نہیں ہوا بلکہ ان امور کی معرفت اور تعلیم کا پتہ چلا۔ اس طرح ان نو حدیثوں کا حال ہے جن کو رئیس صاحب نے ۴، ۵، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۶، نمبروں کے ضمن میں تحریر کیا ہے، کہ ان سب حدیثوں سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان سب امور کا علم ہوا جو ان حدیثوں میں مذکور ہیں۔

پس مولوی رئیس صاحب کی نقل کو ان سولہ حدیثوں میں سے گیارہ تو خود ان کے دعویٰ کی تکذیب کر رہی ہیں اور صاف صاف اعلان کر رہی ہیں کہ متعلقہ امور کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہو کر رہا۔ چاہے بعد میں ہی ہوا ہو، چاہے کسی کے بتانے سے ہی ہوا ہو، اور دو حدیثیں بحث سے ہی الگ ہیں۔ صرف تین حدیثیں ہیں جو اس وضاحت سے خالی ہیں مگر ان کا بھی مطلب ہرگز یہ نہیں، کہ اخیر تک رسول اللہ ﷺ ان سے بے خبر رہے۔ ایسی تمام حدیثوں کے بارے میں علمائے اہل سنت کا یہی موقف ہے کہ ان امور کے علم کی نفی دائمی نہیں۔ جیسا کہ علامہ آلوسی نے ذو القرنین کے سلسلہ میں فرمایا: ”هذا النفي لم يكن يستمر لرسول الله ﷺ“، یہ نفی دائمی نہیں تھی، یا مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض علم کے بارے میں فرمایا: ”وقوله تعالى: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ يَنْقُصْ﴾ [غافر: ۴۰، ت ۷۸] فہل لا نقص أبداً۔“ قرآن میں ہے کہ بعض رسولوں کا بیان نہیں کیا، یہ تو نہیں ہے کہ کبھی بیان نہیں کریں گے۔

پس اس قسم کی حدیثوں سے علم غیب رسول کی نفی نہ ہوگی۔ ہاں اگر کوئی حدیث متواتر قطعی الدلالتہ، یقینی الاقارہ، جس میں اس کی وضاحت بھی ہو کہ یہ حدیث نزول قرآن کی تکمیل کے بعد کی ہے، لاؤ تو البتہ آپ کا مدعا ثابت ہوگا۔ یہ سوال آج نصف صدی کے لگ بھگ ہو گئے کہ فضا میں لہر رہا ہے اور منکرین کی پوری برادری پر سکوت مرگ طاری ہے۔

آج کی نئی پیدوار بے چارے مولوی رئیس صاحب کے حالات سے بے خبر انہیں بزرگوں نے جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا ہے۔ اور یہ مخالف کے موقف سے بے خبر ہوا میں فارنگ کر رہے ہیں۔ ”اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو تخلیق آدم سے پہلے علم غیب نہ تھا“ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ آپ ابتدا سے سب کے عالم نہ تھے، بھولے سپاہی کس نے آپ سے کہہ دیا کہ مخالف یہ کہہ رہا ہے کہ آپ ازل میں ہی سب جان گئے تھے، وہ تو شروع سے ہی چیخ رہا ہے حضور